اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماهنامه

# الحق

اکوڑہ خٹک

جلد ۲۶
شمارہ ۱۰

محرم الحرام ۱۴۱۲ھ
جولائی ۱۹۹۱ء

بانی: حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مدیر معاون: عبدالقیوم حقانی

مدیر: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم: شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم ۳۴۰ / ۳۴۱ / ۴۳۵ کوڈ نمبر ۰۵۲۴۹


اس شمارے کے مضامین




پاکستان میں سالانہ -/۵۰ روپے فی پرچہ -/۵ روپے بیرون ملک بحری ڈاک -/۸ پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک -/۱۲ پونڈ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظورِ عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "الحق" دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

## نقشِ آغاز

## ملکی سالمیت اور دفاعی استحکام کی جانب اہم پیش رفت

بالآخر مملکتِ عزیز پاکستان نے بھی اپنے دفاع میں خود انحصاری اور خود کفالت کی جانب پیش رفت کرتے ہوئے تجربۃً پہلا ٹینک "الخالد" تیار کر لیا ہے جس کا وزن ۴۸ ٹن ہے اور جس میں بارہ سو (۱۲۰۰) ہارس پاور کا انجن لگا ہُوا ہے دُنیا کے بہترین اور جدید ترین ٹینکوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس ٹینک میں ۱۲۵ ملی میٹر کی توپ لگی ہوئی ہے جو دو کلومیٹر کے فاصلہ پر حرکت کرتی ہوئی چیز کو نشانہ بنا سکتی ہے۔ ٹینک کے گولے پھینکنے کی رفتار دُنیا کے کسی بھی ٹینک سے زیادہ ہے، ٹینک میں طیارہ شکن توپ بھی موجود ہے۔ اس ٹینک کے ۶۵ فیصد پُرزے ملک میں اور ۲۵ فیصد چین میں تیار ہوتے ہیں جبکہ ۱۰ فیصد پُرزے دوسرے ملکوں سے منگوائے گئے ہیں۔ اس پر ۱۵ لاکھ ڈالر لاگت آئی ہے جبکہ مغربی ملکوں میں بننے والے اسی قسم کے ٹینک کی لاگت ۵۰ لاکھ ڈالر ہے۔ سنہ ۱۹۹۳ء تک اس کی پیداوار شروع ہو جائے گی اور ہر سال تین سو ٹینک بننے لگیں گے۔

(روزنامہ پاکستان لاہور ۱۹ جولائی ۱۹۹۱ء)

امریکی محکمہ خارجہ کی ایک سابق اہم شخصیت اور الی نائی یونیورسٹی کے ممتاز پروفیسر سٹیفن کوہن نے کہا ہے کہ "پاکستان اب امریکی امداد کے بغیر بھی اپنا دفاع کر سکتا ہے"۔ (روزنامہ جنگ لاہور ۳۱ جولائی ۱۹۹۱ء)

پاکستان کی سالمیت، دفاعی استحکام، امریکہ سے بے نیازی اور خود انحصاری و خود کفالت میں پیشرفت صرف پاکستانی باشندوں ہی کیلئے نہیں بلکہ اسلامی ملکوں اور تمام مُسلم اُمہ کے روشن مستقبل، تحریکات آزادی کی نصرت و حمایت اور عالمِ اسلام کے بین الاقوامی مسائل کے حل میں اس سے جو وزن پڑے گا وہ یقیناً مُسلم امت کے اتحاد، غلبہ اور اسلام کی ترویج و اشاعت میں ایک اہم موڑ اور مؤثر عنصر ثابت ہو سکتا ہے۔

ہم جب عالمِ اسلام پر نظر ڈالتے ہیں تو مسلمانوں کی مجموعی تعداد ایک ارب بارہ کروڑ ہے جن میں ایک تہائی سے زائد تقریباً ۴۵ کروڑ کی تعداد مسلم اقلیتوں کی ہے، آزاد مسلم مملکتوں کی تعداد ۴۶ ہے۔ دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں مسلمان موجود نہ ہوں، مگر اس کثرت کے باوجود ہم بالادست نہیں بلکہ مغلوب ہیں فلسطین میں، کشمیر میں، افغانستان میں، ہندوستان میں اور روسی ریاستوں آذربائیجان وغیرہ میں ہمیں پیٹا جا رہا ہے ——— اور جہاں کہیں ہماری کامیابی کی منزل قریب ہوتی بھی ہے، وہاں فتح کے آخری مرحلے میں اس پر مایوسی کے سائے

پھیل جاتے ہیں۔ افغانستان میں مجاہدین کی شاندار کامیابیوں کو اب کی تازہ ترین صورتحال کے تناظر میں دیکھا جائے تو بڑی طاقتیں اسے تاراج اور غتر بود کرنے کی مذموم مساعی میں مصروف نظر آتی ہیں، ایسا کیوں ہے؟ آج کی نشست میں ہماری گذارشات کا یہی اصل موضوع ہے۔

درحقیقت اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم مسلمان من حیث القوم ''اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً'' کی واضح صریح اور قطعی حکم کے باوصف بھی اس پر پورا نہیں ادھورا عمل کررہے ہیں اور اسلام کی تعلیمات کے ایک اہم ترین حصے کو صدیوں سے نظرانداز کیے بیٹھے ہیں بلکہ اس نسخۂ کیمیا کے بعض نہایت اہم اجزاء کو اپنی قومی و ملکی، اجتماعی اور ملی شفایابی کی حکمتِ عملی میں استعمال ہی نہیں کررہے، حالانکہ اسلام مسلمانوں کو روحانی توانائی کے ساتھ جسمانی اور مادی توانائی کے حصول پر بھی یکساں زور دیتا ہے ـــــ حضرت طالوت کا جب جالوت سے مقابلہ ہوا تو حضرت طالوت کو علم و فن اور جسم و طاقت دونوں کی وسیع قوت مہیا کی گئی جسے قرآن حکیم نے ''بَسْطَۃً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ'' کے مختصر مگر معانی اور مفاہیم کے اعتبار سے جامع الفاظ سے تعبیر کیا ہے ـــــ پھر جب فولاد کا زمانہ آیا اور لوگوں میں فولادی قوتوں سے استفادے کا رجحان پیدا ہوا تو حضرت داؤد علیہ السلام کو اس پر بالادستی عطا کی گئی، جیسا کہ ارشادِ قرآنی ہے:۔

| | |
|---|---|
| فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۰۵) | پھر طالوت والوں نے جالوت والوں کو خدا تعالیٰ کے حکم سے شکست دی اور داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر ڈالا اور ان کو (یعنی داؤد کو) اللہ تعالیٰ نے سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور بھی جو جو منظور ہوا ان کو تعلیم فرمایا۔ |

ملکۂ سبا کے مقابلے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے محض تعلیم حکمت و تبلیغ دین اور ارشاد و ہدایت پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ان کو دشمن کے مقابلے میں غالب آنے والی قوتِ تسخیر دے دی گئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعونی شان و شوکت، قوت و اقتدار اور اس کے دربار کے ساحروں کے مقابلے میں تورات اور ید بیضاء پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس کے اژدہوں کی قوت کو زیر کرنے والا عصا دیا گیا۔

امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکینِ عرب اور یہود و نصاریٰ کے کثیر وسائل، بے پناہ جنگی قوتوں، اسلحہ اور آلاتِ حرب و ضرب کو تاراج اور ڈھیر کرنے کے لیے بدر و اُحد، احزاب، تبوک، حدیبیہ اور مکہ و طائف سمیت سینکڑوں سرایات اور غزوات سے گذارا گیا۔

مگر بدقسمتی سے مسلمانوں کی اکثریت صدیوں سے اس غلط فہمی میں مبتلا چلی آرہی ہے کہ ہم صرف استدلال کی قوت، قرآنی آیات کی تلاوت، اسلام کی برکت اور محض جوشِ جہاد سے میدان مارلیں گے اور باطل کو

شکست دے کر حق کو غالب کر دیں گے'، ایسے فرسودہ استدلالات میں جھٹ سے یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ باطل تو آیا ہی اس لیے ہے کہ چلا جائے اور حق کی آمد کا مقصد ہی اعلاءِ کلمۃ الحق ہے جو غالب ہو کر رہے گا قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

اگر ایسا ممکن ہوتا تو فرعون کے دربار کا مکالمہ، اولو العزم پیغمبر کے معجزات عصا و یدِ بیضا اور دعوت و ارشاد میں خلوص اور پیغمبرانہ کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غالب کر دینے کے لیے کافی ہوتا۔

نمرود اور اس کے ہمنوا لوگوں سے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پُرخلوص خطاب، مدلل اور مسکت مناظرہ اور حقائق پر مبنی مکالمہ آپ کو غالب کر دیتا۔

امام الانبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت، پاکدامنی، عدل و راستی اور امانت و دیانت اور شرافت اور پُرخلوص دعوت، نزولِ وحی کا مشاہدہ اور کوثر و تسنیم سے دُھلی ہوئی زبان سے قرآنِ کریم کی تلاوت ہی اہلِ مکہ کی ہدایت کے لیے کافی ہوتی اور ہجرت کی صعوبت، جہاد اور جدال کی مصیبت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز نہ ڈالا جاتا۔

کفر و طاغوت اور جبر و استبداد کی مذکورہ طاقتوں میں کون ہے جو دلائل کے مقابلہ میں کھڑا رہ گیا ہو؟ قرآن کی منظر کشی کے مطابق نمرود اور فرعون تو ہکا بکا رہ گئے اور کفارِ مشرکینِ مکہ کانوں میں انگلیاں اور روئی ٹھونسنے لگے کہ مبادا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے ادا ہونے والا کوئی لفظ کانوں میں نہ پڑ جائے ورنہ دل اور دماغ کی شکست یقینی ہے ــــ مگر اس ذہنی شکست کو کوئی بھی قبول کر کے حق کو آگے آنے کا راستہ نہیں دیتا بلکہ اگلے مرحلے میں وہ مادی قوتوں سے حملہ آور ہوتا ہے ــــ پھر اہلِ ایمان اگر مادی قوتوں سے بالکل ہی محروم ہوں تو شعبِ ابی طالب میں قیدی ہونے کا تجربہ اور قتل و جدال کے منصوبے انہیں ہجرت پر مجبور کر دیتے ہیں۔

پھر سیرتِ نبویؐ اور سیرتِ صحابہؓ آپ کے سامنے ہے کہ حد درجہ مظلومیت کے ساتھ اپنے وطن سے نکالے جانے والے مہاجرین کو غلبۂ حق کے لیے ہتھیاروں سے لیس ہو کر خواہ وہ مقدار میں کم ہی کیوں نہ ہوں میدانِ بدر، اُحد، تبوک، خیبر میں آنا پڑتا ہے اور اس سعیِ جہاد، مادی وسائل کی فراہمی اور ٹکراؤ سے فتحِ مکہ کا دروازہ کھلتا ہے ؏

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

قرآنِ حکیم نے سورۃ الحدید میں اس مسئلہ کو کھول کر اور بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ تمام انبیاء کرام، ان پر اتاری جانے والی تمام کتابیں اور خیر و شر کا تعین کرنے والی میزان

سب کے نزول کا مقصد عالمِ انسانیت کو قسط یعنی عدل و انصاف کی بنیاد پر قائم کرنا ہے۔

جب تم یعنی نبی قرآن اور میزان کی تعلیمات سے حاصل شدہ روحانی قوت کے ساتھ میدانِ عمل میں نکلو گے اور باطل کو چیلنج کرو گے تو وہاں تمہیں باطل کی مادی قوتوں سے بھی ٹکرانا پڑے گا جن میں ہتھیار، خوراک، ذرائع مواصلات اور دیگر وسائل شامل ہیں، اس کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے فولاد اتارا ہے جس میں بڑی قوت بھی ہے اور انسانوں کے لیے لامحدود معاشی منافع بھی۔

سوال یہ ہے کہ عالمِ اسلام نے خود اپنے طور پر اس مادی قوت سے سبکدوش اور لاتعلق ہونے کا مسئلہ کس بنیاد پر کیا ہے؟ وہی قرآن، وہی اس کا نازل کرنے والا اللہ تعالیٰ، جو انبیاء، کتبِ سماوی اور میزان کی اہمیت پر زور دے رہے ہیں کیا اس فولاد میں چھپی ہوئی اور اس کے معاشی فوائد اور اس سے استفادہ کی ضرورت کی اہمیت نہیں بتا رہے ہے؟

مسلمانوں نے کیوں اسے اپنی فہرستِ ترجیحات سے خارج کر دیا ہے؟ ہماری اسی غفلت اور کوتاہی کا نتیجہ ہے کہ پائپ لائن میں امریکی اسلحہ اور ہتھیار آنا بند ہو جائیں تو افغانستان میں جہاد کی سرگرمیاں ماند پڑ جاتی ہیں ـــــ درحقیقت لوگ وہی ہیں، جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت بھی وہی ہے مگر دوسری جانب اسلحہ کے جو انبار ہیں اُن کے مقابلے کی برابر کی مادی قوت موجود نہیں یا کم از کم اپنے دفاع کے وسائل ناپید ہیں۔

عراق نے بھی روس کے عطا کردہ، ایران عراق جنگ کے دوران امریکہ سے حاصل شدہ اور سعودی عرب اور کویت کے خرید کردہ اسلحہ سے جنگ لڑی مگر نتیجہ کیا نکلا؟ عراق آخر میں چیخ اُٹھا اور یہی کہا کہ مجھے بے رحم اور بھیانک وار مشینری کے ذریعہ شکست دی گئی ہے۔ پھر صدام کے جذباتی اور ناعاقبت اندیش ہمنواؤں نے بھی یہی صدا لگائی کہ یہ تو "ہائی ٹیک" کی فتح ہے۔

ہماری دیانتدارانہ رائے یہ ہے کہ عالمِ اسلام کے زوال و انحطاط کا نقطۂ آغاز اسباب اور وسائل کے لحاظ سے یورپ کا صنعتی انقلاب ہے جس نے طاقت کے توازن کو درہم برہم کر دیا ہے۔ ہم عصری علوم میں بہت پیچھے رہ گئے، یورپی اقوام جدید اسلحہ اور جدید ذرائع مواصلات سے لیس ہو کر ہم پر ٹوٹ پڑیں تو مراکش سے انڈونیشیا تک کوئی مسلم ملک ان کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ اور نوآبادیاتی دور کی سیاہ چادر نے ان سب کو ڈھانپ لیا۔ عسکری میدان میں شکست اور سیاسی اقتدار کے خاتمہ کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو سالہ عہدِ غلامی کے سیاہ دور میں مسلمان الحاد، عیسائیت، اشتراکیت، سیکولرازم اور نیشنل ازم کے عقائد و نظریات کی زد میں آگئے جس سے اُن کی تہذیبی و اخلاقی اقدار بھی بُری طرح پامال ہوئیں اور جدید مغربی و دینی فکر سے عاری نظامِ تعلیم

نے انہیں مزید ذہنی محکومی اور فکری غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔

اور جب بیسویں صدی کے وسط سے عالم اسلام کا دوبارہ آزادی کا دور شروع ہوا، انڈونیشیا، ملائشیا اور مراکش تو الجزائر تک یکے بعد دیگرے مسلم ممالک آزاد ہوتے چلے گئے تو استعمار نے عرب ممالک میں اپنے اقتصادی استحصال کا تسلسل برقرار رکھنے کے لیے ان کی پیٹھ میں اسرائیل کا خنجر گھونپ دیا اور اس کے بعد خوف اور جارحیت کی فضا قائم کر کے ہتھیاروں کی خریداری کا دائمی نظام قائم کیا تاکہ تیل کی دولت عرب ملکوں میں تعمیر و ترقی کے کام نہ آسکے بلکہ امریکہ، برطانیہ، فرانس اور دیگر اسلحہ ساز ملکوں کے بینکوں میں جمع ہوتی رہے ـــــ پھر یہی ہوا کہ کچھ دولت پُرتعیش زندگی کی چاٹ لگا کر درآمد شدہ سامان کی قیمت کے طور پر وصول کر لی گئی اور جو باقی بچی اُسے محلات کی تعمیر کی صورت میں مٹی میں ملا دیا گیا۔ داخلی استحکام کے لیے جس صنعتی ڈھانچے اور فنی و سائنسی علوم میں ترقی کی ضرورت تھی اس طرف وسائل کا رُخ کچھ غیروں کی سازشوں اور کچھ اپنی غفلت و کوتاہی کے سبب ہو ہی نہ سکا۔

ان طویل گذارشات کا مقصد صرف اسی قدر ہے کہ مسلم ممالک جب تک یورپ کے صنعتی عہد سے بگڑا ہوا یہ توازنِ طاقت درست نہیں کریں گے اور صنعتی ترقی پر توجہ نہیں دیں گے جو "ہائی ٹیک" اور اسلحہ سازی کی طرف بڑھنے کی لازمی شرط ہے، اُس وقت تک ہم غیروں کی محتاجی، ان کے استحصال اور معاشی و سیاسی تسلط سے نجات نہیں پا سکیں گے۔ یہ کام عصری علوم میں تیزی سے دسترس حاصل کرنے کا متقاضی ہے، یہ آزاد ممالک میں نظامِ تعلیم کی فوری تبدیلی اور مسلم دنیا میں اہل افراد کی اس سمت پیش رفت کے بغیر ممکن نہ ہو سکے گا۔

ہمیں مسرت ہے کہ پاکستان نے الخالد ٹینک بنا کر اس جانب مثبت اور مستقبل کے لحاظ سے نتیجہ خیز قدم اٹھایا ہے۔ اگر واقعۃً پاکستان اس پوزیشن میں ہے کہ اسے بقول امریکی محکمہ خارجہ کی اہم شخصیت پروفیسر سٹیفن کوہن کے "اپنی سالمیت کے تحفظ اور مدافعت میں امریکی اسلحہ کی کوئی ضرورت نہیں"، تو اس سے بڑھ کر خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے؟

اب یہ حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ فکری تہذیبی اور نظام تعلیم کے اعتبار سے بھی وہی رُخ اختیار کریں جو بحیثیت مسلمان اور ایک اسلامی ریاست کے سربراہ کے اُن سے مطلوب ہے۔ جب مادی وسائل کے ساتھ روحانی قوت شامل ہوگی تو وہاں دشمن کی ظلمت و کفر کی درخشندہ بستیوں میں اندھیرا اور تین سو تیرہ کے ہاتھوں ان کو تین تیرہ ہونے ہی کا مقدر ملے گا۔

عبد القیوم حقانی

مولانا عبدالقیوم حقانی

# موجودہ بُحران کا واحد حل

## اسلامی نظامِ تعلیم کی ترویج

آج ملک کی سیاسی، انتظامی، اقتصادی، تعلیمی اور دفاعی صورتحال پر سب کو تشویش ہے۔ اُنہیں بھی جو اقتدار میں ہیں اور اُنہیں بھی جو حزبِ اختلاف میں ہیں، اُنہیں بھی جنہیں مُلکی سالمیت کی حفاظت سونپی گئی ہے اور اُنہیں بھی جنہیں مُلکی مفاد اور قومی استحکام کے کسی بھی اقدام کے ابجد سے واقفیت نہیں۔

اس کے حل میں پیش رفت اور مقصد کا حصول کبھی ۱۹۵۶ء کا دستور قرار دیا گیا، کبھی قرار دادِ مقاصد کو دستور کا حصہ بنا دیا گیا، کبھی ۱۹۷۳ء کا دستور بنایا گیا، کبھی وفاقی شرعی عدالت کا قیام عمل میں لایا گیا، کبھی آٹھویں اور نویں ترمیم سے جی بہلایا گیا اور کبھی بارہویں ترمیم سے ورغلایا گیا۔

مگر کیا اس سے حقیقت کا سراغ مل گیا؟ معاشرہ میں امن و امان اور عدل و انصاف کو راہ مل سکی؟ لوگوں کو سُکھ کا سانس لینے کے مواقع مل گئے؟ نئی نسل کا مستقبل محفوظ ہو گیا؟ ڈاکوؤں، لٹیروں، قاتلوں، راہزنوں اور قومی سلامتی کے دشمنوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جا سکا؟ نظامِ شریعت، قرآنی احکام، حدود و قصاص کے خلاف غلیظ اور بازاری زبان استعمال کرنے والوں اور رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو "ریگستانی اور جاہلی معاشرہ کا نبی" قرار دینے والے گستاخانِ رسول منہ پھٹ سیاستدانوں کو قرار واقعی سزا دینے کے بارے میں کوئی مناسب منصوبہ بندی کی جا سکی؟ —— ظلمت چھاتی گئی اور الحاد و بے دینی کے لیے راستہ بنتا گیا مگر اخلاقی اقدار، شرافت، انقلابی فکر، آفاقی نظریہ، امنِ عالم کی ضمانت پر مبنی نظام کی ترویج اور اشاعت کا درد مفقود اور عنقا ہوتا چلا گیا۔

ع کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

دراصل بات یہ ہے کہ دنیا میں اور دنیا کے کسی بھی معاشرے میں بڑے بڑے بُحران اُس وقت آتے ہیں جب خود علم تاریکیوں میں گھِر جاتا ہے، جب تعلیم بھٹک جاتی ہے، جب مکتب اپنے مقصود کو گم کر دیتا ہے، اور جب معلم اپنا فریضہ اور پارٹ صحیح طور سے ادا نہیں کرتا۔ علم اور تعلیم کے بھٹکے ہوئے خورشید و مہ کے پرتو میں نہ سیاست صحتمند رہ سکتی ہے نہ جمہوریت نشوونما پا سکتی ہے نہ اقتصادی عدل قائم ہو سکتا ہے

نہ بارہویں ترمیم کارگر ہوسکتی ہے اور نہ اخلاقی شعور اتنا زوردار ہوتا ہے کہ جرائم کا راستہ روک سکے نہ قومی خودی اس حد تک توانا ہوسکتی ہے کہ بین الاقوامی مسائل کو حل کرنے کے لیے دفاعی، سفارتی اور نشری قوتوں کو صحیح طور سے بروئے عمل لا سکے۔

دورِ غلامی تو الگ رہا آزادی پانے کے بعد بھی ہم لوگ تعلیم کے بھٹکے ہوئے خورشید کے پرتو میں ۴۲ سال سے جادہ پیمائی کر رہے ہیں۔ اسی کا نتیجہ وہ بحران ہے جو بالکل ابتداء سے آہستہ آہستہ پرورش پا کر اب پوری طرح جوان ہوگیا ہے جو ایک زہریلے اور خطرناک اژدھے کی طرح پوری ملکی سالمیت کو ہڑپ کر لینا چاہتا ہے۔

اگر ہم نگاہ کو ذرا سا وسیع کرکے پورے عالمی ماحول کو دیکھیں تو اس حقیقت سے انکار کرنا ممکن نہیں کہ علوم و فنون، تنظیمات و ادارات، ذرائع و وسائل اور تفریحات و تعیشات کی تیز رفتار افزائش کے باوجود انسان تہذیبی بحران سے دوچار ہے جنگوں، انقلابات، قومی و طبقاتی تعصبات، طرح طرح کے منافرت انگیز متصادم نظریات اور منحوس قسم کے خونخوار جرائم کے ہجوم میں گھرا ہوا بے بس انسان دل و دماغ کا سارا سکون گنوا کر ہمدردی کے ایک مخلصانہ بول کے لیے ترس رہا ہے۔

پس آج ملکی اور قومی لحاظ سے بھی اور عالمی لحاظ سے بھی زندگی کو سنوارنے کے لیے سب سے زیادہ توجہ طلب شعبہ تعلیم کا شعبہ ہے، اس کی درستی پر ہماری اپنی سلامتی کا بھی انحصار ہے اور اسی کو صحیح اصول و مقاصد کے سانچے میں ڈھال کر ہم نئی نسلوں کو اس قابل بنا سکتے ہیں کہ فسادِ بحر و بر میں مبتلا دنیا کو امن و انصاف اور سلامتی و تحفظ کا راستہ دکھا سکیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ جدید سائنسی اور فنی تعلیم معلمِ انسانیت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بنائے ہوئے نظامِ تعلیم کی روشنی میں پڑھی، سیکھی اور پڑھائی جائے۔

جس نہج سے معلمانہ کردار کی اعجاز آفرینی پر تاریخ کا یہ حیرت انگیز واقعہ گواہ ہے کہ سرزمینِ حجاز کے صحرائی کلاس روم میں معلمِ صدق و صفا سے درس لینے والی تہذیب نا آشنا قوم دیکھتے ہی دیکھتے اقوامِ عالم کیلئے نہ صرف راستی، مساوات، عدل، اخوت، احسان اور امن کی راہنما بن گئی بلکہ اس نے تدبر و تفکر کی کنجیوں سے علوم و فنون کے بند خزانوں کے دروازے ساری نوعِ انسانی کے لیے کھول دیئے۔ حق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تیار کردہ جماعت نے بین الاقوامی دورِ تہذیب کا افتتاح کیا اور آج کے فاسد علوم اور بے توازن تحریکوں میں جہاں کہیں کسی قابلِ قدر جوہر کا کوئی ذرہ چمکتا دکھائی دیتا ہے یہ اسی قومِ محمدؐ کے فیضان کی یادگار ہے جو دوسروں کو منزل کا سراغ بتانے کے بعد خود اپنا سراغ گم کر بیٹھی۔

مجھے کسی بھی طویل بحث یا اس موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ احساس ندامت دامنگیر ہو جاتا ہے کہ ملت اسلامیہ ہونے کی حیثیت میں ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم ترین معلم ایمان و عمل اور معلم انقلاب کی پیروی کا حق ادا نہیں کیا۔ ہمارا مقام یہ تھا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اپنی تمام فکری و عملی سرگرمیوں میں سرچشمہ ہدایت تسلیم کرتے، اپنے کاروان حیات کو ہر پیچ و خم تاریخ سے گذارتے ہوئے حضور ہی کا دامن قیادت تھامتے اور سیاست، اقتصاد اور تعلیم و دفاع اور دوسرے تمام شعبہ ہائے کار میں حضورؐ کے معلمانہ منصب سے روشنی حاصل کرتے ــــ مگر ہماری افسوسناک حرکت یہ ہے کہ ہم اس ہستی کو جو قائد تہذیب انسانی تھی ایک آراستہ و پیراستہ عجائب خانۂ عقیدت میں مسند آرا کر کے اپنے قافلہ ہائے فکر و عمل کو وادی وادی میں گھماتے پھرتے ہیں۔ موجودہ بحران زدہ تہذیب کے بڑے اور پراگندہ فکر اکابر کے دروازوں پر ہدایت کی بھیک مانگنے کے لیے مرعوبیت کا کشکول اٹھائے صدا لگاتے ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ علم کیا ہے؟ اس کا مقصد اور اس کے حصول کے ذرائع اور خود اسلام کا نظام تعلیم کیا ہے؟ ان سوالات کو چھیڑتے ہوئے جب ہم مغرب کے نظریۂ علم کو دیکھتے ہیں تو پھر ہم غلامان مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اور حاملین قرآن کی حیثیت سے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس رائج شدہ باطل نظریۂ علم کی وجہ سے تمام علوم بگڑ کر رہ گئے ہیں۔ ان میں جو تھوڑے بہت سچائی کے اجزا ہیں وہ غلط افکار و تاثرات کے ساتھ اس بری طرح خلط ملط ہو گئے ہیں کہ ان کے ذریعہ زندگی کو پوری طرح خیر و خوبی سے آراستہ کرنا ناممکن ہے اور جو نظام تعلیم محض ان علوم و افکار کو منتقل کرنے کا وسیلہ بن کے رہ گیا ہو وہ ہمیں نہ تو مسلمان کے سے ایمان و کردار سے آراستہ کر سکتا ہے اور نہ انسان کو موجودہ بحرانی دور سے نجات دلا سکتا ہے۔

اسلام کے سوا تمام نظریہ ہائے تعلیم، نظریہ ہائے حیات اور نظریہ ہائے نظام حکومت، آج کی تمام تحریکیں، آج کے تمام سماجی نظام اور آج کے تمام معاشرے اس طرح کے ریت کے گھروندے ہیں جنہیں بچے ساحل سمندر کی ریت سے بناتے ہیں پھر اپنے حاصل محنت کو توڑتے ہیں اور بار بار اسی کھیل کو دہراتے ہیں، غضب یہ کہ وہ اس کھیل کھیل میں اپنے اپنے گھروندوں کو صحیح اور بہتر اور دوسروں کے ریت کے قلعوں کو غلط اور گھٹیا قرار دے کر آپس میں لڑتے ہیں۔

آج کی نشست میں انتہائی دلسوزی کے ساتھ قوم اور اسکے کارفرما حضرات کو اس امر کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ ہمارے سامنے ہمیشہ کیطرح فلاح و سعادت کا اب بھی ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ ہم سچے مسلمانوں کیطرح خلوص کیساتھ اسلام پر عمل پیرا ہوں، اسلام کے نظام تعلیم کا اجراء کریں، قول و عمل کا تضاد ترک کر دیں، نظام تعلیم کو بنیاد ہی سے مکمل اسلامی سانچے میں ڈھال کر اپنی پوری انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلامی تصور حیات پر استوار کریں۔ اپنے تعلیمی، معاشی، تمدنی، قانونی اور سیاسی نظام کو قرآن اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ڈھالیں اور دنیا کے سامنے اس مثالی نظام زندگی اور عدل و انصاف کا عملی نمونہ پیش کریں جس کے لیے پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔

داعیٔ کبیر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

# خلیجی جنگ
## کے بعد اُمّتِ مُسلمہ کا مُستقبل

کویت پر عراق کا حملہ قزّاقی کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ اس میں دینی وحدت واشتراک کا ذرا بھی خیال نہیں رکھا گیا۔ مال و دولت کے علاوہ بیشمار جانیں ضائع ہوئیں، عزّتیں پامال کی گئیں، احسانات کی ناشکری ہوئی اور رذالت و بدکرداری کی آخری حدیں پار کر لی گئیں جس سے برِصغیر کے مسلمانوں کے سر شرم سے جُھک گئے، پیشانی عرق آلود ہوگئی اور برادرانِ وطن کو امن و آشتی کی دعوت دینے کے لیے اب زبان کھولنی مشکل ہے۔ اگر ہمارے غیر مسلم برادرانِ وطن خلیجی جنگ اور کویت جیسے اسلامی اور امن پسند ملک کے ساتھ عراق کے طرزِ عمل کی طرف اشارہ کریں یا مسلمان کُردوں کے ساتھ عراقی حکام کے رویّہ کا تذکرہ کریں جنہوں نے کسی زمانہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے بطلِ جلیل کو پیدا کیا اور وہ کہیں کہ جناب ہمیں احترام انسانیت کی دعوت دینے سے پہلے ذرا اپنے گھر کی، اپنے ہم مذہب لوگوں کی خبر لیں، اور مسلمانوں کی "مثالی قوم" کو دیکھیں ؟ تو ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔

محترم حضرات ! جنگ کے بادل اگرچہ چھٹ چکے ہیں اور یہ منحوس مرحلہ اگرچہ ختم ہو چکا ہے، پھر بھی امتِ اسلامیہ کے حال و مستقبل کی فکر رکھنے والے مصلحین و مفکرین کو یہ جنگ اور اس کے دوران پیش آنے والے واقعات و حالات چند حقائق کی طرف پوری قوّت کے ساتھ متوجّہ کر رہے ہیں جو اس مُدّت میں واضح ہو کر سامنے آگئے ہیں بلکہ ان احوال و کوائف نے ہر سنجیدہ و باشعور، اس اُمت کی فکر رکھنے والے اور تجربات سے فائدہ اٹھانے والے مسلمان کی اُنگلی اس امت میں موجود کمزوریوں اور اس کی صفوں میں موجود شگافوں (GAPS) پر رکھ دی ہے، بلکہ اس جنگ نے اس سے بھی زیادہ خطرناک، دُور رس اور امت کے مستقبل پر اثر انداز ہونے والی خامیوں کو آئینہ کر دیا ہے جو نوجوانوں، صحافت و دیگر ذرائع ابلاغ اور بہت سی اسلامی تحریکات کے طرزِ فکر اور ان کے ذہن و شعور میں گھر کر گئی ہیں، اُن کا اخلاقی جرأت کے ساتھ جائزہ لینا، قوّت و وضاحت کے ساتھ بیان کرنا اور مکمل غیر جانبداری کے ساتھ اپنا اور

دینی بھائیوں کا محاسبہ کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

| | |
|---|---|
| يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ (النساء ۱۳۵) | اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنتے رہو چاہے وہ تمہارے یا تمہارے والدین اور عزیزوں کے خلاف ہی ہو۔ |

کویت پر عراق کے ظالمانہ حملہ، صدام حسین کے غیر عاقلانہ اور مغرورانہ طرزِ عمل اور عرب اور دیگر مسلمان اقوام کے ردِ عمل کے نتیجہ میں بہت سے نئے حقائق سامنے آئے ہیں، اُمتِ اسلامیہ، اسلامی تنظیموں اور مسلم صحافت کے ذہن اور طرزِ فکر میں بہت سی خامیوں اور دراڑوں سے پردہ ہٹ گیا ہے۔

یہاں میں عام مسلمانوں کے طرزِ فکر، ملک کی صحافت و ذرائع ابلاغ یا زیادہ وسیع اور واضح الفاظ میں ان کی زندگی میں موجود خامیوں اور ان کے علاج، اُمت کی صفوں میں پڑنے والی دراڑ اور اُن کے پُر کرنے اور قرآن وحدیث اور تاریخِ انسانی کی شہادتوں کی روشنی میں اُمت کے مستقبل پر مرتب ہونے والے خراب و خطرناک نتائج و عواقب سے محفوظ رکھنے کے اصولوں کی طرف اُمت کا ذہن بنانے والوں، تعلیم و تربیت کے ذمہ داروں، صحافیوں، دعوتِ اسلامی اور "صحوۃ اسلامیہ" کی خدمت انجام دینے والوں کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

(۱) عام مسلمانوں، خاص طور سے نوجوانوں کی ایک اہم کمزوری جو اس جنگ کے دوران بہت نمایاں ہو کر سامنے آئی ہے وہ ہے پُرجوش نعروں، بلند بانگ دعوؤں اور سحر انگیز وعدوں سے فریب کھانے کا مزاج یا مستقل صلاحیت ہے۔ اس سلسلہ میں عام مسلمان نہ تو نعرہ لگانے والوں کے افکار و عقائد دیکھتے ہیں، نہ اُن کے ماضی کا جائزہ لیتے ہیں، نہ اُن سیاسی و فکری تحریکات اور ان کے فکر و فلسفہ اور مقاصد و اعمال کو دیکھتے ہیں، جن سے یہ نعرہ لگانے والے پوری طرح مربوط و ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ اور خاص طور سے اگر یہ نعرے اور ڈینگیں کسی بڑی طاقت کو چیلنج کرتی ہوں اور ڈینگیں مارنے والے جرأت و حوصلہ مندی کا مظاہرہ کریں تو عام مسلمان اور خاص طور سے نوجوان شدید تاثر، جذباتی اُبال اور ایک طرح کے دماغی دورہ (HYSTERIA) کا شکار ہو جاتے ہیں جس کو کسی طرح قابو میں نہیں لایا جا سکتا۔ ایسی صورت میں نہ دینی احکام و مصالح کا پاس و لحاظ ہوتا ہے، نہ علمی تنقید و تحلیل اور نہ حالات و حقائق کا دیانتدارانہ اور غیر جانبدارانہ تجزیہ ہی کچھ مفید ثابت ہوتا ہے، بلکہ کھولتی ہوئی ہانڈی کی طرح جذبات میں اُبال آ جاتا ہے جو اکثر دین، عقائد اور شعائرِ اسلام سے اعراض بلکہ ان کی اہانت تک پہنچا دیتا ہے اور دین کے نمائندہ علماء اور اصحابِ اختصاص

توسب سے پہلے زد میں آتے ہیں، اس طرح کے جذبات کی رو میں بے سوچے سمجھے بہہ جاتے والوں کی بلیغ ترین صفت سیدنا علی بن ابی طالبؓ نے ایک جملہ میں بیان فرمائی ہے جن کو اس صورتحال کا بار بار سامنا کرنا پڑا تھا اور جنہیں دوسرے ائمۂ اسلام کے مقابلہ میں اس طرح کے حالات سے زیادہ سابقہ پڑا تھا۔ آپ نے اہلِ عراق کے بارہ میں فرمایا تھا: "اَتباع کل ناعقٍ" (ہر زور سے بولنے والے کے پیچھے بھاگنے والے ہیں)

لہٰذا امت کے مختلف طبقوں میں یہانتک کہ دیندار اور تعلیمیافتہ طبقہ میں بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ صحیح دینی، سماجی اور سیاسی شعور پیدا کیا جائے، نیک و بد کو سمجھنے کی صلاحیت کو تقویت پہنچائی جائے، نئے مسائل پر غور کرنے، ان کی گہرائیوں تک اُترنے اور ان کے نتائج و عواقب کا صحیح اندازہ لگانے کی قوت میں جِلا پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور ان کو صفائی اور صراحت کے ساتھ بتلایا جائے کہ عقائد و افکار کے اصل اور صحیح ماخذ کون سے ہیں اور قوت و نشاط کے حقیقی سرچشمے کہاں ہیں۔

مسلم عوام کو اس بات کی طرف دعوت دینے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے زمانہ کو سمجھیں، زمانہ کے مشکلات و مسائل، اس میں جاری و ساری رجحانات، تحریکوں، اسلام کے بارہ میں ان کے رویّہ، زندگی پر مرتب ہونے والے ان کے اثرات، دین کے مستقبل کے لیے اُن سے لاحق خطرات اور نئی مسلم نسل کے ذہن پر پڑنے والے سایوں کو ذہن میں رکھنا سیکھیں۔ ان قیادتوں کے مطمح نظر اور ان کے اغراض و مقاصد سے ناواقف نہ رہیں، جو ملکوں پر اور سماج پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے کوشاں ہیں جو سماج کو اپنے عقائد، اپنے افکار و نظریات اور اپنے آدرشوں کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں، جو زندگی کو نئی راہ اور نیا رُخ دینا چاہتے ہیں۔ ان طاقتوں، رجحانات، افکار اور قیادتوں کو نظر انداز کرنا اور دینی جماعتوں کا اپنے خول میں بند رہنا خود ان تحریکوں کیلئے خطرہ بن سکتا ہے۔ ان تحریکوں کی دینی دعوت، ان کی سرگرمیاں اگر فرائض و واجبات، طہارت و عفت کی زندگی اور نوافل کے اہتمام تک محدود رہیں تو خطرہ اس بات کا ہے کہ کچھ مدت گذرنے کے بعد دین پر عمل اور شرعی احکام کے نفاذ کی آزادی سلب کر لی جائے اور حالات ان کیلئے اس قدر دشوار ہو جائیں جس کی تصویر کشی قرآن نے اپنے بلیغ اور معجزانہ اسلوب میں کی ہے کہ:۔

| ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ ۔ (سورۃ التوبہ آیت ۱۱۸) | زمین ان پر باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہوگئی اور وہ خود اپنی جانوں سے تنگ آ گئے۔ |
|---|---|

جذباتی نعروں، دعووں، وعدوں اور کھوکھلی شجاعت کے مظاہروں سے فریب کھانے کیلئے ہمہ وقت تیار رہنا زبردست خطرہ ہے (خاص طور پر اس امت کیلئے اپنے عقیدہ پر اور اپنے پیغام پر قائم رہنے کیلئے اور نوعِ انسانی کی ہدایت و راہنمائی کے فریضہ کی انجام دہی کیلئے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر آسمانی شریعت اور اس آخری دین پر قائم رہتے

کے لیے) اس طرح مسلمانوں کا یہ رویہ قرنِ اوّل سے لیکر اس وقت تک کے ان کے مصلحین و مجددین، مجاہدین اور دعوتِ اسلامی کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے والے شہداء کی تمام کوششوں پر پانی پھیر سکتا ہے۔ اس سے خطرہ اس بات کا پیدا ہو گیا ہے کہ اس امت میں اور قدیم ترین اسلامی ممالک میں بھی مغربی عیسائیوں کا یہ تصور کارفرما نظر آنے لگے کہ: "دین ایک ذاتی معاملہ ہے جو اللہ اور بندہ کے درمیان محدود ہے، قانون سازی، سیاست اور زندگی کے دوسرے میدانوں میں اس کا عمل دخل نہیں"۔

(۲) عام مسلمان اور خاص طور سے نوجوان جو ان بے حقیقت و پرجوش نعروں اور کسی بڑی طاقت کو للکارنے کے چھوٹے مظاہرے سے اس حد تک متاثر ہو گئے کہ عقل و ہوش کھو بیٹھے۔ اس کے کچھ نفسیاتی اسباب بھی ہیں اگرچہ وہ اس کا جواز فراہم نہیں کرتے کہ ہر جوشیلے نعرے لگانے والوں کو تقدیس کی حد تک پہنچا دیں، پھر بھی انصاف کا تقاضا ہے کہ ان کا احساس کیا جائے اور ان کا سدِ باب کیا جائے۔

اس امت میں عرصہ سے ایسی طاقتور اور جرأتمند قیادت کا فقدان ہے جس کے اندر جہاد کی روح کارفرما ہو، جسے اپنے عقیدہ پر فخر ہو، دنیا کی راہنمائی کے منصب اور اس کی ذمہ داریوں کا شعور ہو اور بڑی حد تک مغربی یا مشرقی طاقتوں کے سہارے سے بے نیاز ہو، یہ بڑی طاقتیں ہی اسلامی کوششوں اور وسیع حلقہ و اثر رکھنے والی اسلامی تحریکوں کو ناکام بنانے اور اسلامی ممالک کو ایسی عظیم، مؤثر اور قومی شخصیتوں سے جن پر دینی فکر غالب ہو، جو اپنے ملک میں شریعتِ اسلامی کا نفاذ چاہتی ہوں، جو اسلام کی عظمت اور مسلمانوں کی قوت و شوکت کے عزائم رکھتی ہوں، محروم کرنے کی ہر طرح کی سازشیں کرتی رہتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ پورا عالم اسلام ماضی قریب میں بہترین راہنماؤں سے محروم ہوتا رہا۔

پھر بھی یہ لحاظ رہے کہ قوت و شوکت اور کبھی کبھی خطر پسندی سے متأثر و مرعوب ہونا فطری بات ہے۔ جن صفات سے انسان خود محروم ہوتا ہے ان سے متاثر ہوتا ہے، اور اسلام کی تاریخ شجاعت و شہامت اور بڑے سے بڑے خطرہ کو خاطر میں نہ لانے کے واقعات سے بھری ہوئی ہے لیکن اس دور کے باضمیر اور غیرتمند مسلمان کمزور حکومتوں اور آرام طلب قیادتوں سے تنگ آ گئے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اکثر مسلمان اور خاص طور سے نوجوان بڑی طاقتوں کی سرگرمیوں اور ان کی سازشوں سے واقف ہیں اور ان سے نفرت کرتے ہیں۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی قیادت کو سامنے لانے پر توجہ دی جائے جو طاقتور ہو، جرأتمند ہو، صاحبِ ایمان اور ہوشمند ہو، اللہ نے ان کے ملک کو جو طاقت و ثروت عطا فرمائی ہے ان پر اعتماد رکھے، ان میں اضافہ کی کوشش کرے، ٹیکنالوجی، صنعتوں اور فوجی قوت پر توجہ دے، ممکن حد تک غیروں سے بے نیاز ہو، ایمانی قوت، قوم و ملت کے اخلاص اور ایمان و عقیدہ کے دفاع کے لیے قربانی کے جذبہ پر اعتماد کرتے ہوئے،

اسلامی مصالح اور صحیح و مخلص قیادت کے خلاف کسی بھی سازش کے مقابلہ میں یا اسلامی مسائل و ممالک میں کسی بھی دخل اندازی کے سامنے جم کر کھڑی ہو جائے۔

(۳) اسلامی ممالک میں مثبت، فعال و متحرک اور طاقتور دینی تحریک کے قیام و استحکام پر توجہ دینا بھی ضروری ہے اور اگر کوئی ایسی تحریک موجود ہو تو اس سے خطرہ محسوس کرنے اور اس کو ختم یا کمزور کرنے کی کوشش کے بجائے اس کی قدر اور ہمت افزائی کرنی چاہیئے، اسلامی معاشرہ کی تشکیل و تکمیل اور اس کے استحکام و بقا کیلئے ایک ایسی اسلامی دعوتی تحریک بڑی مفید ثابت ہو سکتی ہے جو مردانگی، جرأت و ہمت، بلند ہمتی اور پیش بینی کی صفات سے متصف ہو، جو ایسی طاقتوں اور زیادتوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت و صلاحیت رکھتی ہو جنہوں نے بلا کسی استحقاق و جواز کے نوع انسانی کی زمام قیادت اپنے ہاتھوں میں لے رکھی ہے، اور جو اسلامی و غیر اسلامی ممالک و اقوام کی قسمتوں کی مالک بن بیٹھی ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قوم مسلم (اپنی بیماریوں اور کمزوریوں کے باوجود جن میں سے بعض کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا) مشرقی و مغربی تمام اقوام کے مقابلہ میں بعض صفات کے اندر بہت ممتاز ہے ۔

اپنی ملّت کو قیاس اقوام مغرب پر نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

یہ صفات ہیں اللہ اور آخرت پر ایمان، زندگی کی بے حقیقتی کا شعور، جہاد فی سبیل اللہ کے لیے زندگی کی لذتوں اور آسائشوں کی قربانی، شہادت کا شوق، جنت اور رضائے الٰہی کی اُمید، اللہ کے وعدہ کیے ہوئے اجر و ثواب کا یقین اور اس کے لیے جان و مال سب کچھ لٹا دینے کی تڑپ، بے مثال صلاحیتوں کی یہ چنگاریاں منتظر ہیں کسی طاقتور مخلص داعی کی جو ان کے اسلامی جوش کو ابھار دے، شرارۂ ایمان کو شعلۂ جوالہ بنا دے، اور ابھی ماضی قریب تک بعض مخلص اللہ والوں نے یہ کارنامے کر دکھایا ہے[1]۔ قرآن کریم نے بھی مسلمانوں کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے جو انہیں دیگر اقوام و ملل کے سورماؤں اور بہادروں سے جن کا رابطہ آسمانی پیغام اور ایمانی سرچشموں سے منقطع ہو گیا ہے، کے مقابلہ میں ممتاز کرتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

| | |
|---|---|
| وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ | اور مخالف قوم کے تعاقب میں ہمت نہ ہارو اگر تمہیں جسمانی دکھ پہنچتا ہے تو اُن کو بھی دکھ پہنچتا ہے، |

---

[1] جیسے ہندوستان میں سید احمد شہیدؒ بالاکوٹ (۱۲۴۶ھ) طرابلس میں سیدی احمد الشریف السنوسی (م ۱۳۵۱ھ) اور امیر عبدالقادر الجزائری (م ۱۳۰۱ھ) وغیرہ

وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا یَرْجُوْنَ ۚ (النساء ۱۰۴) (لیکن تم اللہ سے (اجر و ثواب کی) وہ امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے۔

یہ ایسی دولت ہے جس کی کوئی مثال نہیں، ایسی طاقت ہے جس کا کوئی جواب نہیں اور مسلمان ملکوں اور قوموں پر زیادتی ہوگی، بلکہ ان ملکوں اور قوموں میں قائم حکومتوں اور قیادتوں کے حق میں بھی یہ زیادتی ہوگی کہ وہ اس سے گھبرائیں، اور اپنی قیادت و حکومت کے لیے ان سے خطرہ محسوس کریں، ان کو اپنا حریف سمجھیں اور بات یہاں تک پہنچ جائے کہ ان کو ختم کرنے اور ان کے اثر و نفوذ سے نجات حاصل کرنے کے لیے ساری طاقتیں اور سارے وسائل جن میں صحافت، دیگر ذرائع ابلاغ اور نظام تعلیم و تربیت بھی شامل ہیں، وقف کر دی جائیں، یہ ایک بے محل جدوجہد ہے اور قوم و ملک کے ان عزیز ترین فرزندوں کے خلاف جنگ کی ایک شکل ہے، جو نازک گھڑی میں ان کے کام آسکیں۔

ان مسلمان اقوام کا ایک نمایاں اور معروف وصف اللہ اور اللہ کے دین کے ساتھ اخلاص بھی ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس کے اظہار کا صحیح موقع و محل فراہم ہو، کوئی اللہ کے نام پر اور اسلام کے نام پر آواز لگاتا ہے تو مسلمان اس کی طرف ایسے جوش اور جذبہ کے ساتھ لپکتے ہیں جس کی اس زمانہ میں نظیر نہیں ملتی مسلمان حکومتوں اور قیادتوں کی کمزوری ہے کہ وہ حقائق کو نظر انداز کرتی ہیں اور اس قیمتی سرمایہ اور زبردست طاقت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اس کو دبانے اور مٹانے کے لیے ساری طاقت، ذہانت اور وسائل صرف کرتی ہیں۔

(۴) اسلام ہی عرب قومیت کی اساس و بنیاد ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالم عربی کی روح ہیں، اس کے قائد اور امام ہیں، اور ایمان کی طاقت ہی عربوں کی اصل طاقت ہے۔ عربوں نے جب اس طاقت سے فائدہ اٹھایا تو پوری دنیا پر چھا گئے۔ آج بھی اس کے اندر وہی قوت و صلاحیت موجود ہے اور عرب اقوام آج بھی اس کی مدد سے اپنے دشمنوں کو شکست دے سکتے ہیں اور اپنا تحفظ کر سکتی ہیں۔ اسلام اور ایمانی قوت کے بغیر عربوں کا نہ کوئی امتیاز ہے، نہ وقار و اعتبار، نہ کوئی تشخص، اور جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے کہا ہے ؎

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
محمدِ عربی سے ہے عالمِ عربی

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی عربوں کو دنیا کے سامنے ایک حقیقت اور ایک ممتاز و متشخص قوم کی حیثیت سے پیش کیا۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے اور قومیت اور وطنیت کے مقابلہ میں اس حقیقت کو تسلیم کرنا، اس کو اپنانا اور اس کا پرجوش داعی بننا چاہیئے۔ عالم عربی کو پورے عالم اسلامی سے مربوط کرنے کا یہی سب سے مضبوط و مستحکم ذریعہ ہے اور اسی وجہ سے پوری دنیا کا مسلمان عالم عرب سے محبت و ہمدردی رکھتا ہے

اس کی مدافعت اور اس کے لیے قربانیوں کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتا ہے، یہ سب سے بڑی حقیقت ہے جو عالم عربی کو مغربی اور غیر اسلامی قوموں کی نظر میں بھی ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔

⑤ ممکن حد تک ناز و نعمت اور عیش و عشرت کی زندگی سے دور رہنا چاہیئے۔ ترقی و تمدن کے مظاہر میں مبالغہ، بے ضرورت کے اخراجات، لذت و شہوت اور شان و شوکت کے اظہار کیلئے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کوئی پسندیدہ بات نہیں، ایسے اعمال و اخلاق سے پرہیز لازم ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند نہ ہوں اور تائید و نصرت الٰہی سے مانع بن سکتے ہوں۔

چھٹی صدی عیسوی کا رومی اور ایرانی تمدن جو زیب و زینت، دولت و ثروت اور پُر تکلف زندگی کی آخری حدوں تک پہنچ رہا تھا، اس کے مقابلہ میں قدیم عرب مسلمانوں نے اپنے اسلامی اخلاق، سادگی، فضول خرچی سے اجتناب، محنت و مشقت کی زندگی اور شہسواری کی خصوصیات کو باقی رکھا تھا۔ آج بھی اس زندگی کو اپنانے کی ضرورت ہے، اور اگر تمدن کو اختیار کرنا کسی حد تک ضروری ہو تو اُسے اُن تعلیمات کے سانچہ میں ڈھال دینا، اُن اخلاق و آداب کے رنگ میں رنگ دینا اور اُن مقاصد اور نشانوں کے تابع بنا دینا چاہیئے جن سے اسلام کے ذریعہ اللہ نے اس اُمت کو نوازا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جو قوم بھی عیش و عشرت، آسائش حیات کی کثرت اور ناز و نعمت میں ڈوب گئی اُس میں جاہلیت کی عادتیں پھیل گئیں اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہو گئیں وہ دوسروں کے ظالمانہ حملوں کا نشانہ بن گئی:۔

| | |
|---|---|
| سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ﴿الاحزاب ۳۸﴾ | یہی اللہ کا معمول رہا ہے ان لوگوں کے بارہ میں جو پہلے گذر چکے ہیں اور اللہ کا حکم خوب تجویز کیا ہوا ہوتا ہے |

ساتویں صدی ہجری میں اسلامی معاشرہ میں عام طور سے بھی اخلاقی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں، جب تاتاریوں کا سیلاب عالم اسلام پر اُمنڈ پڑا جس نے نسلی اور دینی قتل عام کی شکل اختیار کر لی ــــ تاتاری حملہ سے پہلے بغداد کے مسلم معاشرہ کے حالات کا اندازہ لگانے کے لیے ہم یہاں صرف ایک بڑے مؤرخ کی شہادت پر اکتفا کرتے ہیں۔ اُس زمانہ میں دوسرے مسلم ممالک اور شہروں کے حالات اس سے زیادہ مختلف نہیں تھے مفتی قطب الدین نہروالی اپنی کتاب "الإعلام بأعلام بيت الحرام" میں لکھتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| مرفهون بلين المهاد ساكنون<br>على شط بغداد في ظل نخيل<br>وماء معين وفاكهة وشراب | عیش و عشرت کے مزے لوٹ رہے تھے، بغداد میں (دجلہ کے) ساحل پر آباد تھے جہاں گھنا سایہ تھا، با افراط میٹھا پانی تھا، میوے اور مشروبات کی کثرت تھی، |

واجتماع احباب واصحاب ماکا بدوا حربًا ولا دافعوا طعنا وضربًا۔ (الاعلام ص۱۸۰)

دوست احباب کی مجلسیں تھیں جنگ کی مصیبتوں سے سابقہ نہیں تھا نہ نیزے اور تلواریں اٹھانے کی نوبت آتی تھی۔

مسلمانوں کی تاریخ طویل کے اندر بہت سے مسلم معاشروں مسلمان قوموں اور وسیع اور ترقی یافتہ حکومتوں میں خوش عیشی اور فارغ البالی کی یہی کہانی دہرائی گئی اور اس کا نتیجہ وہی نکلا جو بعد میں ظاہر ہوا، شدت و وسعت میں اگر کچھ فرق رہا ہو تو ان معاشروں کے قد و قامت یا ان حکومتوں کی قوت و حیثیت اس کا سبب ہی ہے۔[1]

(۶) اس مرحلہ پر اس امر کی بھی ضرورت واضح ہو کر سامنے آگئی ہے کہ عرب اور اسلامی ملکوں اور قوموں کی اپنی ایک مؤثر اور فعال تنظیم ہونی چاہیے جو اسلامی ممالک (اور ان میں عرب ممالک سرفہرست ہیں) کی بین قومی سیاسی اور دفاعی ضرورتوں کی دیکھ ریکھ میں اقوام متحدہ (UNITED NATIONS) کی جگہ لے سکے، آزادی اور عزت و وقار کے تحفظ میں ان کی ہمت افزائی کرے، اگر کوئی بڑا ملک کسی چھوٹے ملک پر حملہ آور ہو تو اس کی مدافعت کا فریضہ انجام دے، اس طرح کے معاملات میں اقوام متحدہ یا کسی بڑی طاقت کی جگہ اس کی طرف رجوع کیا جا سکے اور اس سے مدد لی جا سکے۔ ایسی کسی تنظیم کو اتنا احترام و وقار اور اتنی طاقت حاصل ہونی چاہیے کہ وہ کسی بھی اسلامی ملک پر جارحیت کا مناسب جواب دے سکے اور انانیت پسند استبدادی قیادتیں اور دنیا کی اور دنیا کی بڑی طاقتیں اسے نظر انداز نہ کر سکیں۔

اس طرح کی کسی تنظیم کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہونی چاہیے کہ وہ حجاز مقدس اور حرمین شریفین کی خاص طور پر اور پورے جزیرۃ العرب کے تحفظ و دفاع کی عام طور پر ذمہ داری سنبھالے کیونکہ یہی اسلام کا اصل مرکز اور دعوتِ اسلامی کا اصل سرمایہ ہے، مسلمان کسی زمانہ میں بھی ہوں اور کسی جگہ بھی ہوں، ان کا عز و شرف حجازِ مقدس کی عزت و عظمت کے ساتھ وابستہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ۔ (المائدہ ۹۷)

اللہ نے کعبے کے مقدس گھر کو انسانوں کے باقی رہنے کا مدار ٹھہرایا ہے نیز حرمت والے مہینہ کو۔

یہ آیت اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ نظام عالم درحقیقت بیت اللہ الحرام کے ساتھ وابستہ ہے، بالکل اسی طرح جیسے کہ عقائد اور اعمال و اخلاق کا نظام اس دعوت سے وابستہ ہے جس کے لیے

---

[1] تفصیل کے لیے ہندوستان میں مغلوں کے عروج و زوال اور ایران و ترکستان میں خوارزم شاہی سلطنت کی تاریخ کا مطالعہ مفید ہوگا۔

اس گھر کی تعمیر ہوئی ہے، مسلمان دنیا کے کسی بھی حصہ میں ہوں اُن کے لیے مرکزِ اسلام (جہاں اللہ کی آخری وحی نازل ہوئی اور جہاں نوعِ انسانی کے لیے نئی صبح صادق طلوع ہوئی) کے بارہ میں انتہائی حساس اور غیرتمند ہونا اسلامی فریضہ ہے، اور جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے کہا ہے ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

اخیر میں اسلامی ممالک کے ذمہ داروں اور سربراہوں کی خدمت میں بھی ایک عرض کرنا چاہتا ہوں کہ:۔

محترم حضرات! قرآن و سنّت، دعوتوں اور دنیا کی تبدیلیوں اور انقلابات کی تاریخ کی روشنی میں سب سے بہتر اور مفید چیز ہے۔ اللہ تعالےٰ کے ساتھ صدق و اخلاص، اس کی طرف رجوع و انابت، ساتھ ہی فرد اور سماج کی زندگی میں ہر ممکن اصلاح، سماج سے منکرات، اللہ تعالےٰ کی تائید و نصرت سے محروم کرنے والے اخلاق و اعمال کا ازالہ اور سماجی، سیاسی، انتظامی اور انفرادی زندگی سے سستی و کاہلی اور تضادات سے اجتناب، قرآن و حدیث اس پر شاہد ہیں سیرتِ مبارکہ خلفائے راشدین اور صالح بادشاہوں کی زندگی میں اس کے بے شمار نمونے موجود ہیں، ان کی تفصیل اور واقعات و اسماء کے تذکرہ و تعیین کی یہاں ضرورت نہیں۔

خلاصہ یہ کہ انابت الی اللہ اور اصلاحِ اُمّت و ازالۂ منکرات کی جدوجہد میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرنے مصیبتوں اور دشواریوں کے وقت قوموں اور معاشروں کو بُرے نتائج سے محفوظ رکھنے کی مؤثر ترین قوّت ہے اور عام ذرائع و اسباب، فوجی طاقت یا بڑی طاقتوں کی تائید و حمایت یہ ساری چیزیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

---

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as
He should be feared, and die not
except in a state of Islam. And
hold fast, all together, by the
Rope which God stretches out
for you, and be not divided
among yourselves.

# نئی کارمینا نظامِ ہضم کی اصلاح کے لیے زیادہ پُرتاثیر

انسان کی تن دُرستی کا زیادہ تر انحصار معدے اور جگر کی صحت مند کارکردگی پر ہے۔ اگر نظامِ ہضم درست نہ ہو تو دردِ شکم، بدہضمی، قبض، گیس، سینے کی جلن، گرانی یا بھوک کی کمی جیسی شکایات پیدا ہو جاتی ہیں جس کے سبب غذا صحیح طور پر جُزوِ بدن نہیں بنتی اور صحت رفتہ رفتہ متاثر ہونے لگتی ہے۔

پاکستان اور دنیا کے بہت سے ممالک میں ہمدرد کی کارمینا پیٹ کی خرابیوں کے لیے ایک مؤثر نباتی دوا کے طور پر شہرت رکھتی ہے۔ چونکہ یہ ہر گھر کی اہم ضرورت ہے اس لیے ہمدرد کی تجربہ گاہوں میں اس کی افادیت پر ہمہ وقت تحقیق و تجربات کا عمل جاری رہتا ہے۔ نئی کارمینا اسی تحقیق کا حاصل ہے۔ نئی کارمینا کو پودینے کے جوہر اور دیگر مفید و مؤثر اجزا کے اضافے سے زیادہ قوی، پُرتاثیر اور خوش ذائقہ بنا دیا گیا ہے۔
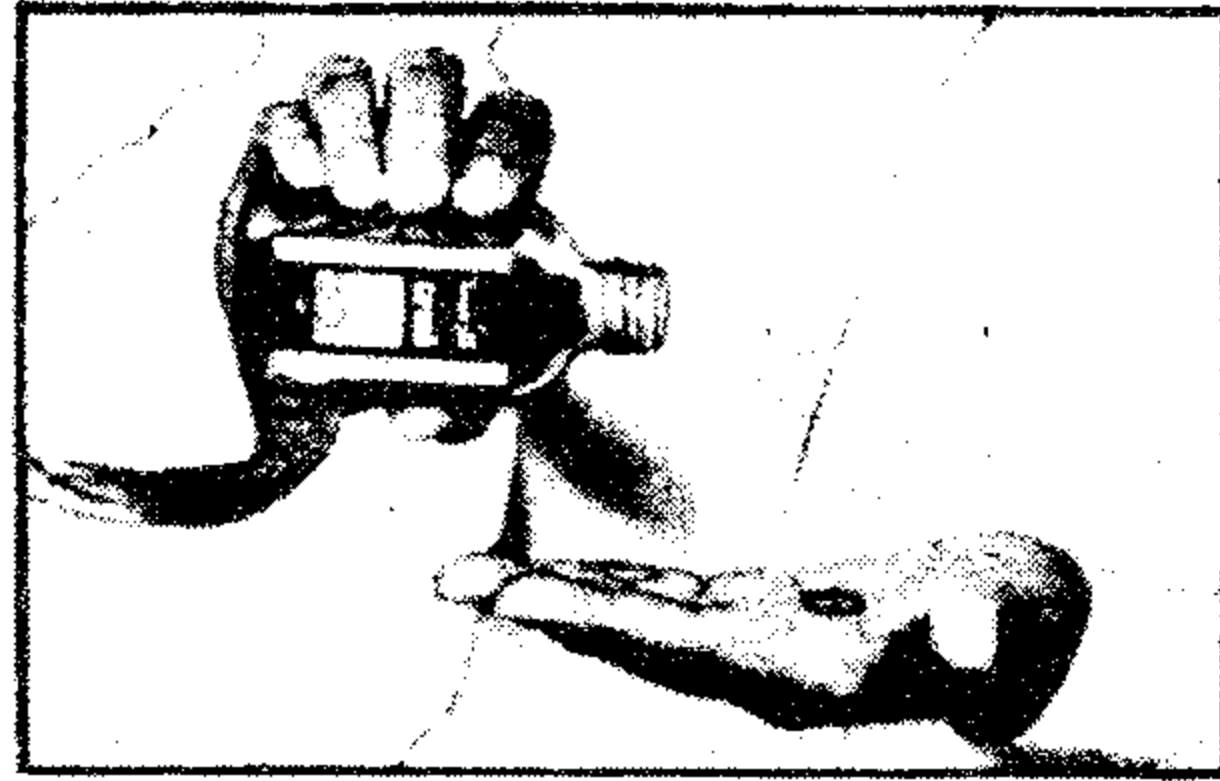
نئی کارمینا نظامِ ہضم کو بیدار کرنے، معدے اور آنتوں کے افعال کو منظم و دُرست رکھنے میں زیادہ کارگر ہے۔

بچّوں بڑوں سب کے لیے مفید **نئی کارمینا** ہمیشہ گھر میں رکھیے

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

اصولِ اخلاق
تحقیق رُوحِ تخلیق ہے

arts

CAR- 4.88

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

# ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے مکانات

## ایک تجزیاتی مطالعہ

ہمارے قدیم ماخذ اور اصلی مصادر میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے مکانوں کی زمینوں اور دوسری متعلقہ چیزوں کے تعلق سے مختلف قسم کی روایات ملتی ہیں۔ ان میں سے کچھ تو عام روایات ہیں جو یہ واضح کرتی ہیں کہ مکانات کی اراضی وغیرہ مدینہ منورہ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص انصارِ کرام رضوان اللہ علیہم نے فراہم کی تھیں متعدد ایسی روایات ہیں جو ان کی بعض ضروری جزئیات و تفصیلات مہیا کرتی ہیں۔ پھر ان میں سے کچھ ایسی روایات ہیں جو قدیم ترین ماخذ میں وارد ہوئی ہیں اور بعض ایسی ہیں جو بعد کے مصادر میں اولین ماخذ سے لی گئی ہیں۔ بعد کے ان مصادر کو بعض اہلِ علم و اصحابِ نظر نے اصلی ماخذ کا درجہ دے دیا ہے۔ قدیم ترین روایات کا ایک اہم پہلو یہ بھی رہا ہے کہ بسا اوقات ایک ہی موضوع پر متضاد و منافی روایات ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو پائی جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں کبھی ان میں جمع و تطبیق کے اصول کے ذریعہ تناقض و تصادم دور کر دیا جاتا ہے یا دور کرنے کا یقین کر لیا جاتا ہے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان میں تطبیق کی ہر کوشش ناکام ہو جاتی ہے کہ تعارض اصلی ہوتا ہے اور ایسی پیچیدہ صورت میں اصولِ ترجیح کو کام میں لاکر ایک قسم کی روایات کو دوسری قسم کی روایات پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اور دلائل و نظائر اور براہین کی بنا پر راجح کو قبول اور مرجوح کو مسترد کر دیا جاتا ہے۔ جمع و تطبیق میں اکثر قیاسات و آرار سے کام لیا جاتا ہے جو کبھی صحیح بھی ہوتے ہیں اور کبھی غلط۔ ازواجِ مطہرات کے مکانات کے بارے میں ایسی تمام روایات و تاویلات تطبیقات اور قیاسیات ملتے ہیں۔ اس مقالہ میں انہیں کا ایک تجزیہ اپنی علمی بساط بھر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

### (الف) حجرات کی تعمیرِ نبوی

ابھی تک ہماری معلومات کے مطابق قدیم ترین روایت ابن اسحاق کی ہے جس میں واضح طور سے کہا گیا ہے کہ:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں قیام کیا تا آں کہ آپ کے لئے آپ کی مسجد اور آپ کے گھر (مساکن) تعمیر کئے گئے۔ (بُنی لہ) تب آپ ابو ایوبؓ کے گھر سے اپنے مساکن / گھروں

کو منتقل ہو گئے "۔

ترتیبِ زمانی کے لحاظ سے دوسری قدیم ترین روایت جو ہمیں مل سکی وہ ابنِ سعد کی ہے اور جو مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی کی تعمیر رسولِ اکرمؐ کے ذکر کے ضمن میں آئی ہے۔ مسجدِ نبوی کی تعمیری ساخت، زمین اور سامانِ تعمیر وغیرہ کے ذکر سے متصلاً یہ روایت آئی ہے اور محمد بن عمر واقدی کی سندِ اول سے معمر بن راشد کی دوسری سند سے زہری سے نقل ہوئی ہے۔ گویا کہ منقطع ہے اور مرفوع نہیں۔ اس کے الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ:۔

" اس (مسجد) کے پہلو میں آپ نے چند گھر (بیوتا) کچی اینٹوں (اللبن) سے بنائے اور ان کی چھتیں کھجور کے تنوں اور پتوں (جذوع النخل والجرید) سے بنائیں۔ جب آپ تعمیر سے فارغ ہو گئے تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس گھر (البیت) میں شبِ زفاف گذاری جس کا دروازہ مسجد کی طرف کھلتا ہے (شارع الی المسجد) اور حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو دوسرے گھر (البیت الآخر) میں رکھا۔ جو اس دروازہ مسجد کے قریب ہے جو آلِ عثمان کی جانب یا متصل ہے "۔

ابنِ سعد نے حضرت عائشہؓ کے سوانحی خاکہ میں اس سے زیادہ قوی روایت بیان کی ہے جو متصل و مرفوع ہے اور محمد بن عمر واقدی کے ذریعہ موسیٰ بن محمد بن عبدالرحمٰن سے اور ان کے واسطہ سے اور ان کے حوالہ سے حضرت عمرۃ بنت عبدالرحمٰن سے براہِ راست حضرت عائشہؓ سے نقل ہوئی ہے۔ پہلے اس روایت میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ کے بعد آپ کی ازواجِ مطہرات اور بناتِ طاہرات کے مکہ میں رہ جانے، پھر حضرت زید بن حارثہ اور ابو رافع اور عبداللہ بن اریقط دئلی وغیرہ کے ذریعہ ان کو اور آلِ ابی بکر کو مدینہ لانے کا ذکر ہے۔ پھر بیان ہوا ہے کہ:۔

" جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو میں تو " عیالِ ابی بکر " کے ساتھ اتری / مقیم ہوئی (فنزلت) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آل بھی مقیم ہوئے۔ جب کہ اس زمانے میں (یومئذ) مسجد کی تعمیر کر رہے تھے اور مسجد کے قریب چند گھر (ابیاتا) بنوا رہے تھے۔ اور آپ نے ان میں اپنے اہل کو اتارا "۔

اس کی تفصیل یہ بیان کی ہے:۔

" ہم کچھ دن (ایاما) ابوبکر کے گھر (منزل) میں ٹھہرے۔ پھر ابوبکر نے کہا۔ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ اپنی اہل کو رخصت کرانے سے کیا چیز مانع ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ مہر (الصداق) مانع ہے۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ساڑھے بارہ اوقیہ (اثنی عشرۃ اوقیہ ونشا) پیش کیا اور وہ آپ نے ہمارے پاس بھیج دیا اور رسول اللہ صلعم نے میرے اسی گھر میں جس میں میں ہوں شبِ زفاف گذاری۔ اور اسی میں آپ نے وفات پائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے مسجد میں حضرت عائشہؓ کے دروازے کے سامنے ایک دروازہ

بنالیا تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضؓ کے ساتھ انہی گھروں میں سے ایک میں (فی احد تلک البیوت) جو میرے پڑوس/پہلو (جنبی) میں ہیں شب زفاف گذاری اور آپ ان کے پاس (اسی میں) قیام کیا کرتے تھے۔

اسی روایت کو بلاذری نے اپنے مذکورہ بالا روایت کے حوالہ سے "قالوا" (انہوں نے کہا) کے لفظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جو صرف ازواج مطہرات و بناتِ طاہرات وغیرہ کے مدینہ آنے سے متعلق ہے اور آخر میں اس موضوع پر صرف ایک جملہ یہ ہے "وہ سب آئے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد اور اپنے حجرے (حجرہ) تعمیر کر رہے تھے (یبنی)

طبری وغیرہ متعدد مورخین نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجدِ نبوی کی تعمیر کے ساتھ ساتھ حجرات نبوی کی تعمیر کا ذکر براہ راست یا مضمر طور سے کیا ہے۔ ابن کثیر نے ابن اسحاق کے حوالے سے آپ کی مسجد اور مساکن کی تعمیر کا ذکر کرنے کے بعد ایک مختصر فصل قائم کی ہے جس کا آغاز اس سے ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آپ کی مسجد شریف کے گرد حجرے تعمیر کئے گئے۔ (بنی) "تاکہ وہ آپ کے لئے اور آپ کے اہل کے لئے مساکن کا کام دے سکیں۔" پھر ان مساکنِ نبوی کی تعمیر، ساخت اور دوسری چیزوں کا متعدد علماء کی سندوں سے ذکر کیا ہے اور آخر میں" واقدی اور ابن جریر وغیرہما"، کے حوالہ سے مکہ مکرمہ سے ازواجِ مطہرات اور بناتِ طاہرات وغیرہ کے لائے جانے کا ذکر کرتے ہیں اور یہ اضافہ کرتے ہیں کہ وہ آئے تو سُنح میں اترے۔ طبری اور ابن کثیر نے مقامِ نزول کی تصریح نہیں کی۔ مگر یہ معروف و معلوم ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے تھوڑی سی مسافت پر جس کا نام سُنح تھا اپنا مکان اور کپڑا بنانے کا کارخانہ بنالیا تھا۔ اور ان دونوں کی بیان کردہ اس روایت میں اسی کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے اور اس کی تائید ابن سعد کی مذکورہ بالا روایت نے پوری طرح سے کر دی ہے۔

انہیں اصلی روایات اور قدیم مآخذ کی تصریحات کی بنا پر تمام متاخرین نے خواہ ان کا تعلق قرونِ وسطیٰ سے ہو خواہ جدید زمانے سے کم از کم ازواج مطہرات میں سے دو۔ یعنی حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ، کے حجروں کی تعمیر کرنے ہی کی حقیقت تسلیم کی ہے جیسا کہ ابن کثیر کی روایات سے واضح ہوتا ہے۔ سمہودی نے حجرہ شریفہ کی اپنی مخصوص فصل کا آغاز ہی اس صراحت سے کیا ہے کہ:۔

"ذکر آچکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی مسجد شریف تعمیر کی (بنی)، تو اپنی دو ازواج مطہرات عائشہؓ اور سودہؓ رضی اللہ عنہما کے لئے دو گھر مسجد کی تعمیر کے مطابق (علی نعت بناء المسجد) کچی اینٹوں (لبن) اور کھجور کے تنوں (جرید النخل) سے تعمیر کئے (بنی)۔ ابن قیم نے ان دونوں حجروں کی تعمیر ہی کا ذکر کیا ہے۔ دوسرے متاخرین/متوسطین میں اس زمرہ میں کئی اصحاب علم و فضل اور علماء و سیرت نگار شامل ہیں۔ جستجو کی جائے تو مزید حوالے اور تصریحات

اس عہد میں مل جائیں گے۔ عصر جدید میں شبلی نعمانی، سلیمان منصور پوری، ادریس کاندھلوی، عبدالرؤف داناپوری، سید سلیمان ندوی، سید ابوالاعلیٰ مودودی، سید ابوالحسن علی ندوی، محمد ابو زہرہ، محمد حسنین ہیکل اور متعدد دوسرے عرب و عجم کے مولفین سیرت و مورخین اسلام نے انہیں روایات کو تفصیل یا اختصار سے تسلیم کیا ہے اور ان سب کا ماحصل اور لب لباب یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مدنی مسجد کے ساتھ ان دو حجروں کو بھی بنوایا تھا گویا کہ زمین افتادہ / خالی ملی تھی اور اس پر مکانات بنے ہوئے نہیں تھے۔ ان زمینوں پر تعمیر آپ نے فرمائی تھی۔

ازواج مطہرات کے مکانات کی تعمیر کے سلسلہ میں ایک دلچسپ روایت ابن سعد کی اس فصل خاص میں ملتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں (بیوت) اور آپ کی ازواج کے حجروں کے ذکر میں باندھی گئی ہے اور روایت بھی واقدی کی ہے۔ جو عبداللہ بن زید ہذلی سے مروی ہے۔ موخر الذکر نے ازواج مطہرات کے مکانوں کو اس وقت دیکھا تھا جب ان کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے منہدم کیا تھا۔ وہ دوسری تفصیلات بیان کرتے ہوئے حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے مکان اور ان کے حجرہ کو کچی اینٹوں کا بنا ہوا دیکھتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے پوتے (ابن ابنہا) سے پوچھا تو انہوں نے کہا:-

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دومۃ الجندل کے غزوہ میں تشریف لے گئے تو حضرت ام سلمیٰ نے اپنا حجرہ پکی اینٹوں (لبن) سے بنا لیا (بنت) جب آپ واپس تشریف لائے اور پکی اینٹوں کو دیکھا کہ سب سے پہلے آپ تمام ازواج میں انہیں کے پاس تشریف لائے تھے۔ تو پوچھا، یہ کیسی تعمیر ہے (البناء) انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں نے چاہا کہ لوگوں کی نظروں پر روک لگا دوں۔ آپ نے فرمایا۔ اے ام سلمیٰ! بلاشبہ بدترین شئے جس میں مسلمانوں کا مال جاتا ہے وہ مکان (البنیان) ہے۔

اسی روایت کو سمہودی نے یحییٰ کی روایت سے جو واقدی کے ذریعہ عبداللہ بن زید سے منقول ہوئی مختصراً بیان کیا ہے اور اس میں حضرت ام سلمیٰ کے مکان کا ذکر ہے۔ سمہودی نے ابن النجار کی بلا سند روایت نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عورتوں (نساء) سے شادی کی تو ان کے لئے حجرے (حجرا) تعمیر کرائے (بنیٰ) اور وہ نو گھر تھے (تسعۃ ابیات) ظاہر ہے کہ وقت و علم کی محدودیت کے سبب اور تمام مآخذ و مراجع سے روایات جمع نہیں کی جا سکتیں لیکن اگر اور تحقیق و تفتیش کی جائے تو کچھ ایسی روایات یقیناً مل جائیں گی جو یہ ثابت کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری ازواج مطہرات کے لئے بالخصوص اور بنات طاہرات میں سے بعض کے لئے بالعموم مکانات تعمیر کرائے تھے اور ان کی تعمیر کے لئے ضروری سامان اور اراضی صحابہ کرام خاص کر انصار مدینہ رضی اللہ عنہم کے عطایا سے آیا تھا۔ مذکورہ بالا روایات اور ایسی دوسری غیر مذکورہ روایات اخبار بھی اس امر کی تصدیق کرتی ہیں کہ حجروں کی تعمیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی آپ کو بنے بنائے مکانات

نہیں ملے تھے۔

## (ب) حضرت حارثہ بن نعمان کے مکانات کا عطیہ

مذکورہ بالا روایات و بیانات کے برخلاف بعض ایسی روایات بھی ملتی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ مدینہ منورہ کے ایک مالدار انصاری حضرت حارثہ بن نعمان نے اپنے مکانات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سارے کے سارے پیش کر دئے تھے۔

ظاہر ہے کہ یہ روایات مذکورہ بالا روایات سے بظاہر متناقض معلوم ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کا تجزیہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ہماری موجودہ معلومات کے مطابق اس باب میں سب سے قدیم روایت ابن سعد کے ہاں آئی ہے اور مختلف مقامات پر مختلف انداز سے آئی ہے۔ زمانی ترتیب کے اعتبار سے سب سے پہلی وہ روایت ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال کے مدینہ آنے کے بعد ان کے نزول و قیام سے متعلق ہے۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کو مکہ مکرمہ سے لانے کے لئے حضرات زید بن حارثہ و ابو رافع کو بھیجا تھا تو ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ سمیت حضرت ابوبکر کے عیال کو لے کر آئے۔ اور مدینہ منورہ میں پہنچ کر ان کو حضرت حارثہ بن نعمان کے ایک گھر (بیت) میں اتارا۔

یہاں ایک دشواری یہ پیش آرہی ہے کہ انہیں ابن سعد کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کے بعد مدینہ میں حبیب بن یساف کے گھر قیام کیا۔ یہ روایت محمد بن عمر واقدی کی ہے جو اسمٰعیل بن عبداللہ بن عطیہ بن عبداللہ بن انیس نے اپنے والد سے روایت کی ہے جب کہ اسی کے متصلاً بعد دوسری روایت میں واقدی نے موسیٰ بن عبیدہ کے حوالے سے ایوب بن خالد سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ خارجہ بن زید بن ابی زہیر کے گھر اترے تھے اور واقدی نے اپنی تیسری روایت میں جو موسیٰ بن یعقوب کے ذریعہ محمد بن جعفر بن زبیر سے مروی ہے یہ اضافہ دوسری روایت میں کیا ہے۔ کہ حضرت ابوبکر نے خارجہ بن زید کی بیٹی سے شادی کر لی تھی اور مقام سُنح میں بنو حارث بن خزرج میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک قیام پذیر رہے۔

دوسری روایت یا تیسری روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بعد میں مواخاۃ کے اسلامی تعلق سے حضرت خارجہ بن زید ہی کے بھائی بنے تھے اور مزید برآں دوسری زیادہ قوی روایات سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

ابن سعد نے حضرت حارثہ بن نعمان کے مکانات کے عطیہ و پیش کش کا ایک حوالہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی خانہ آبادی کے ذیل میں دیا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوانحی خاکہ میں جو بنات مطہرات کا اولین خاکہ ہے۔ ابن سعد نے محمد بن عمر واقدی کی روایت ابراہیم بن شعیب کے واسطہ سے یحییٰ ابن شبل

سے اور ان کے ذریعہ سے حضرت ابوجعفر سے یوں نقل کی ہے کہ:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت ابوایوب انصاری کے ہاں سال بھر یا اس کے قریب قیام کیا۔ پھر جب حضرت علیؓ کی شادی حضرت فاطمہؓ سے کی تو حضرت علیؓ سے فرمایا کہ کوئی مکان تلاش کر لو اور حضرت علی نے جو مکان تلاش کیا وہ آپ سے ذرا دور تھا۔ حضرت فاطمہؓ کو وہیں رخصت کرا کر لے گئے۔ آپ جب حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لے گئے تو ان کو اپنے ہاں منتقل کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ تو انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ حضرت حارثہ بن نعمان سے بات کر لیں کہ وہ ان کے لئے مکان خالی کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ حارثہ پہلے ہی مکان سے منتقل ہوتے رہے ہیں حتیٰ کہ مجھے ان سے شرم آنے لگی ہے۔

حضرت حارثہ کو جب اس کی خبر لگی تو وہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ حضرت فاطمہ کو اپنے پاس منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ میرے مکانات (منازل) ہیں جو بنو نجار کے گھروں (بیوت) سے زیادہ آپ کے قریب (اقرب) ہیں۔ اور میں اور میرا مال تو اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔ اے رسول اللہ! اللہ کی قسم! جو مال آپ مجھ سے قبول فرما لیتے ہیں وہ مجھے اس سے زیادہ عزیز ہوتا ہے جو آپ مسترد/ رد کر دیتے ہیں آپ نے ان کی تصدیق کی اور ان کو برکت کی دعا دی اور حضرت فاطمہ کو حارثہ کے مکان میں منتقل کر دیا۔

یہی روایت ابن سعد نے اسی سند اور انہیں الفاظ سے تقریباً "ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی منازل کے ذکر" کی مخصوص فصل میں نقل کی ہے۔ ایک اور تاریخی روایت ابن سعد کے ہاں یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ کے ساتھ خیبر سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو حارثہ بن نعمان کے مکانات میں سے ایک مکان (بیت من بیوت) میں ان کو اتارا۔ جب انصاری عورتوں نے ان کے آنے اور ان کے جمال کو سنا تو اُن کو دیکھنے آئیں اور حضرت عائشہؓ بھی نقاب لگا کر (متنقبة) پہنچیں تو آپ نے ان کو پہچان لیا اور جب وہ نکلیں تو آپ ان کے پیچھے آئے اور ان سے حضرت صفیہ کے بارے میں ان کی رائے پوچھی۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک یہودی عورت دیکھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عائشہ! ایسا نہ کہو۔ بلاشبہ وہ مسلمان ہو گئی ہیں۔ اور ان کا اسلام خالص و حسین ہے۔

یہ واقدی کی روایت ہے جو اسامہ بن زید بن اسلم سے ان کے والد کی سند پر عطاء بن یسار سے منقول ہوئی ہے۔ اسی کے بعد واقدی کی ایک اور روایت نقل کی گئی ہے جس میں حضرت صفیہؓ کو ان کے گھر (منزل) میں رکھنے کی غرض سے چار ازواج مطہرات — حضرت زینبؓ بنت جحش، حضرت حفصہؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت جویریہؓ — کے نقاب لگا کر آنے کا حوالہ ہے مگر اس میں حضرت حارثہ بن نعمان کا واضح ذکر نہیں ہے۔

آخر میں وہ عام روایت جو یہ بیان کرتی ہے کہ حضرت حارثہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی مکانات دیئے تھے۔ ابن سعد نے محمد بن عمر واقدی کی روایت بلا سند بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت حارثہ بن نعمان کے کئی

مکانات (منازل) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے قریب اور اس کے آس پاس (حولہ) تھے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نئی اہل لاتے (احدث ..... اہلاً) حضرت حارثہ بن نعمان آپ کے لئے اپنے مکان (منزلہ) سے دستبردار ہو جاتے (تحول لہ) حتیٰ کہ ان کے سارے مکانات (منازلہ کلہا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات کے لئے ہوگئے۔ یہی روایت ابن سعد نے واقدی ہی کے حوالہ سے بلا سند حضرت حارثہ بن نعمان کے سوانحی خاکہ میں مختصراً اور کچھ اضافہ کے ساتھ بیان کی ہے۔ ایک اضافہ تو یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکانات (منازل) کے قریب حضرت حارثہ بن نعمان کا ایک مکان کے بعد دوسرے مکان (عن منزل بعد منزل) سے دستبردار ہوتے رہے تا آنکہ آپ نے فرمایا کہ مجھے حارثہ بن نعمان سے حیا آتی ہے کہ وہ ہمارے لئے اپنے مکانات (منازل) سے دست کش ہوتے رہے ہیں

ابن سعد کی ان دو روایات میں سے پہلی وہ روایت ہے جو سمہودی نے ابن الجوزی کی الوفا کے حوالہ سے محمد بن عمر واقدی کی سند پر تقریباً لفظ بہ لفظ نقل کی ہے۔ بعض دوسرے متاخر مصادر سر دست ہمیں دستیاب نہیں ممکن ہے کہ ان میں واقدی کی اس اہم روایت کی بعض تفصیلات مل جائیں اور روایت و درایت کے اعتبارات سے اس کی مزید تصدیق و تائید کی جا سکے۔ مگر موجودہ صورت حال میں اس روایت نے کافی الجھن پیدا کر دی ہے اور اس کا احساس سمہودی کو بھی ہے جس کا انہوں نے اپنی جمع و تطبیق کی کوشش میں اظہار بھی کیا ہے اس پر کچھ بحث بعد میں آئے گی۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مکانات کے بارے میں وارد ہونے والی تمام روایات مذکورہ بالا کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدیم مؤلفینِ سیرت اور مورخینِ اسلام میں ابن اسحاق، ابن ہشام، بلاذری یعقوبی اور طبری وغیرہ کے علاوہ متعدد محدثین کرام میں سے کسی نے نہیں بیان کیا ہے۔ صرف ابن سعد نے واقدی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اور متاخرین میں سے ابن الجوزی اور سمہودی نے اسی کو اپنے ہاں بلا سند و بلا تائید نقل کر دیا ہے۔ ابن کثیر جو متقدمین و متاخرین سب کی روایات و اخبار کے جامع ہیں نے بھی اس روایت کو بیان نہیں کیا۔ ویسے انصاف کی بات ہے کہ ازواج مطہرات کے مکانات کے تعلق سے ان کی فصل کافی مختصر و تشنہ ہے بالفرض اگر یہ روایت بعض دوسرے متاخر ماخذ میں مل بھی جائے تو بھی بہت زیادہ فرق نہیں پڑنے والا تا آنکہ قدیم ماخذ میں اس کی کوئی تائیدی شہادت نہ ملے۔ اس وقت یہ تعارض اپنی جگہ قائم ہے کہ تمام قدیم و متاخر اور جدید روایات و بیانات کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف حضرت سودہ اور حضرت عائشہ کے لئے مکانات بنوائے / تعمیر کراتے رہے تھے جب کہ کم از کم ایک ام المومنین حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے اپنے ایک حجرہ کی تعمیر خود اپنے آپ فرمائی تھی۔

ہماری موجودہ معلومات یہ نہیں بتاتیں کہ ان دو / چند / تمام مکاناتِ ازواجِ مطہرات کے لئے اراضی اور دوسرا

ضروری تعمیری سامان کس نے فراہم کیا تھا۔ یہ البتہ واضح طور سے اور حتمی طور سے بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب مدینہ منورہ کے صحابۂ کرام بالخصوص انصارِ عظام کے ہدایا سے آیا تھا۔ ایک امکان یہ ہے کم از کم حضرت ام سلمیٰ کے حجرہ کی تعمیر کے بارے میں کہ وہ ان کی اپنی آمدنی، بچت یا کسی اور ماخذ سے آیا ہو۔ بہرحال یہ امکان ہی ہے۔ واقعہ یا تاریخی روایت نہیں۔

دوسرا امکان یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات کے مکانات سب کے سب یا کچھ حضرت حارثہ بن نعمان انصاری کے ہدیہ سے آئے ہوں جیسا کہ ابن سعد، ابن الجوزی اور سمہودی کی مذکورہ بالا واقدی کی بلاسند روایت بیان کرتی ہے۔ سمہودی نے روایات کے تناقض کو سمجھ لیا تھا اس لئے انہوں نے اس کی یہ توجیہہ کی۔

"میرا کہنا یہ ہے کہ اس روایت کا ظاہر گذشتہ روایات سے مخالف ہے جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دو گھر اپنی دو بیویوں کے لئے تعمیر کئے اور جب آپ نے دوسری عورتوں سے شادی کی تو ان کے لئے حجرے تعمیر کئے۔ اس روایت کا ظاہری بیان یہ ہے کہ جب آپ نے نئی شادی کی تو نئی زوجہ کے لئے ایک حجرہ تعمیر کرایا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت حارثہ بن نعمان ان مکانات کی اراضی (مواضع المساکن) سے دست بردار ہو جاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعمیر کراتے تھے۔

اول تو سمہودی نے حلِ تناقض کی جو راہ اختیار کی ہے اس کی بنیاد محض قیاس و رائے پر ہے اور جسے زیادہ سے زیادہ ایک کمزور روایت کی کمزور سی تائید حاصل ہے۔ دوم یہ کہ یہ سوال پھر بچ رہتا ہے کہ بالفرض اراضی، تمام مکانات ازواج مطہرات کے لئے اگر حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے فراہم کر دی تھی تو سامانِ تعمیر اور گھر کے دوسرے سامان و اسباب جن کا ذکر بعد میں آئے گا کہاں سے اور کس کے ہدیہ سے آئے تھے؟ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ سب بھی حضرت حارثہ بن نعمان نے فراہم کیا تھا تو اس کی تائیدی شہادت / روایت کہاں ہے؟ یعنی یہ بھی قیاس بلاسند ہو گا جو صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔ جب کہ اس کو عام صحابہ کرام اور انصارِ مدینہ کے عطیہ و ہدیہ کی دین قرار دینے کی صورت میں عام تائیدی روایات و شہادات کے علاوہ ایک تقریباً حتمی صورتِ حال نظر آتی ہے اور اس سے زیادہ اہم یہ کہ ان میں حضرت حارثہ بن نعمان کے شامل ہونے کا امکان بھی ہو جاتا ہے۔ کہ وہ انصارِ کرام کے ایک عظیم و کریم فرد تھے۔ یہ ساری بحث سمہودی کی رائے و قیاس کی بنا پر کی گئی ہے اور اس میں روایت و درایت دونوں کا اعتبار ازواج مطہرات کے تمام مکانات کے فراہم کرنے کے پس منظر میں کیا گیا ہے۔

درایت کے اعتبار سے تمام روایات میں جمع و تطبیق کی ایک اور صورت بھی ہے اور وہ میرے نزدیک زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ اگر ابن سعد، ابن الجوزی اور سمہودی کے بیان کردہ واقدی کی روایت کے الفاظ پر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب کبھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نئی اہلیہ محترمہ اپنے حبالۂ نکاح میں

میں لائے تو حضرت حارثہ بن نعمان نے اپنے مکانات یکے بعد دیگرے حوالۂ نبوی کئے تا آں کہ ان کے سارے مکانات آپ کے اور آپ کی ازواج مطہرات کے لئے ہو گئے۔

ظاہر ہے کہ آپ نے حضرت سودہ اور حضرت عائشہ سے مکہ مکرمہ میں شادی کی تھی لہذا ان کی تزویج کو لفظ "احداث" سے مدینہ منورہ کے زمانے میں تعبیر نہ کرنا چاہیئے گویا کہ اس عام روایت کا مقصود یہ ہے کہ حضرت سودہ اور حضرت عائشہ کے بعد آپ نے جب دوسری ازواج سے شادیاں مختلف اوقات میں کیں تو حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے اپنے مکانات آپ کو ہدیہ کر دئے۔ اس قیاس کی ایک تائید تو ابن سعد کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں فتح خیبر کے بعد آپ کی نئی اہلیہ محترمہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے حضرت حارثہ بن نعمان کے گھروں میں سے ایک گھر میں اتارے جانے کا ذکر آیا ہے لیکن اس میں صرف اتارے جانے کا ذکر ہے۔ مکان کے ہدیہ کا واضح ذکر نہیں۔ یہ صرف قیاس ہی ہے۔ کہ انہوں نے اپنا مکان ہدیہ کر دیا ہو گا/ یہ بھی امکان ہے کہ بعد میں آپ نے ان کے لئے دوسرا مکان بنوایا ہو۔ جیسا کہ عام روایات سے معلوم ہوتا ہے اور حضرت صفیہ اپنے اس مکان میں منتقل ہو گئی ہوں جس طرح حضرت عائشہ اور عیال ابی بکر کے بارے میں ابن سعد کی روایت کا مقصود معلوم ہوتا ہے کہ وہ قیام مدینہ منورہ کے اولین دور میں حضرت حارثہ بن نعمان کے مکان میں اترے اور بعد میں عیال ابی بکر تو سُنح کے مکان میں منتقل ہو گئے اور حضرت عائشہ رخصت ہو کر اپنے نئے حجرے میں آ گئیں اور پھر حضرت ابو بکر نے ایک مکان مسجد نبوی کے قریب عطایائے/ قطائع نبوی سے بنایا اور اپنے اہل وعیال کے ایک خاندان کو اس میں رکھا۔

روایات میں اب تک مجھے کم از کم کہیں یہ نہیں مل سکا کہ حضرت حارثہ بن نعمان نے خاندان صدیقی کو کوئی مکان یا اراضی ہدیہ کی ہو۔ البتہ روایات میں واضح طور سے یہ آیا ہے کہ مدینہ منورہ کے مخیر و صاحبان دل انصار کرام نے اپنی تمام افتادہ زمینیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ و ہبہ کر دی تھیں اور آپ نے انہیں میں سے صحابہ مہاجرین کو بالخصوص اور دوسرے صحابہ کرام کو بالعموم قطائع دئے تھے۔ حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کے مکانات ہدیہ کرنے کے اس بیان میں دو روایتوں کے الفاظ کا فرق بھی الجھن پیدا کرتا اور تناقض وتصادم پیش کرتا ہے۔

ابن سعد کی ایک روایت میں ان کے مکانات کو مسجد نبوی کے ارد گرد اور قرب وجوار میں واقع ہونا بتایا گیا ہے جب کہ دوسری روایت میں ان کے منازل نبوی کے قریب ہونے کی بات کہی گئی ہے۔ سمہودی نے پہلی روایت کے الفاظ نقل کر کے یہ تاویل کی ہے کہ اراضی حضرت حارثہ بن نعمان نے فراہم کی تھی اور آپ نے ان پر حجرے تعمیر کئے تھے۔ ظاہر ہے کہ دوسری روایت میں یہ تاویل نہیں چل سکتی کہ وہاں واضح طور سے منازل/مکانات نبوی کی پہلے سے موجودگی کا پتہ دیا گیا ہے۔ لہذا یہاں تاویل کرنے والے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اراضی انہوں نے ہدیہ و ہبہ کی تھی جس پر بعد میں مکانات نبوی تعمیر کئے گئے۔ لیکن یہاں بھی زیادہ قدیم روایت اور دوسرے شواہد سے تناقض تو برقرار رہے

رہتا ہے۔ تمام روایات و اخبار، بیانات و تاویلات کے تناقض و تصادم کو دور کرکے جمع و تطبیق پیدا کرنے کی ایک راہ تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ مسجد نبوی کے متصل دو حجرے تو آپ نے تعمیر کرائے تھے اور اس کے لئے زمین و سامان تعمیر حضرات سہل و سہیل کے مربد (باڑے) اور عام صحابہ کرام کے عطایا سے آیا تھا جیسا کہ مسجد نبوی کے لئے آیا تھا، یا ارضی کسی اور نے فراہم کی تھی۔ وہ صاحب خیر اور جاں نثار رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حارثہ بن نعمان بھی ہو سکتے ہیں یا ان کے سوا کوئی دوسرا بھی جس کی تصریح ابھی تک مجھے نہیں مل سکی۔ البتہ بعد میں جب آپ نے دوسری شادیاں کیں تو ممکن ہے کہ حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے مکانات آپ کی ازواج کے لئے ہدیہ کئے گئے ہوں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے بعد حضرت حارثہ بن نعمان کے ایک مکان کا ہدیہ کیا جانا تقریباً حتمی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حارثہ نے اور بھی مکانات آپ کو ہدیہ کئے تھے۔ اسی بنا پر آپ کو حضرت فاطمہ کی درخواست پر ان کے لئے حضرت حارثہ سے مکان مانگنے میں تامل تھا اور آپ کو حیا آتی تھی۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ حضرت فاطمہ کی شادی سے قبل صرف دو ازواج مطہرات تھیں اور انہیں کے لئے مکانات کا ہدیہ حارثہ آیا تھا جس کا اشارہ اس روایت میں پایا جاتا ہے مگر یہ قیاس و استنباط ہے جو متصادم دو واضح روایات کی موجودگی میں باطل ہو جاتا ہے البتہ واقعاتی شہادت یہ بتاتی ہے کہ حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے کچھ مکانات آپ کی دو دختران نیک اختر۔ حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام کلثومؓ۔ اور آپ کے عزیز موالی حضرات زید بن حارثہ، اسامہ بن زید اور ان کی والدہ ام ایمن کے قیام و سکونت کے لئے فراہم کئے گئے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ شادی سے قبل حضرت فاطمہ اور حضرت ام کلثوم جو ہجرت مدینہ کے بعد بالترتیب ڈیڑھ اور دو سال بعد ہوئی وہ کسی نہ کسی گھر میں قیام پذیر تھیں۔ اور وہ گھر امہات المومنین کے حجرے نہ تھے۔ کہ ان میں اتنی گنجائش نہ تھی۔ ابھی تک کسی روایت سے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ ان حجرات نبوی میں کبھی قیام پذیر رہی تھیں۔ یہ نکتہ ابھی بحث طلب بلکہ تحقیق طلب ہے۔

لیکن دوسری طرف بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ نے ایک دو نہیں بلکہ کچھ گھر (بیوت) تعمیر کرائے تھے چونکہ اس وقت آپ کی صرف دو ازواج مطہرات تھیں لہذا قیاس و منطق یہی کہتی ہے کہ دو سے زیادہ حجرے ان دونوں دختروں اور موالی نبوی کے لئے تعمیر کئے گئے ہوں گے اور حضرات فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تو ایک روایت یہ صاف بتاتی ہے کہ وہ ان کی تعمیر کے بعد ان میں سے کسی میں منتقل ہو گئی تھیں۔ یہی صورت حال حضرت ام کلثوم کے باب میں بھی رہی ہوگی۔ اور ممکن ہے کہ دونوں بہنیں اپنی شادیوں تک ایک ہی حجرے میں قیام پذیر رہی ہوں۔

یہاں سمہودی کی بیان کردہ اس روایت کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جو زرکشی نے حافظ شمس الدین ذہبی کی طرف منسوب کی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد تعمیر کی اس وقت آپ کے نو گھروں (تسعۃ ابیات) کے بنانے / تعمیر کرنے سے متعلق کوئی روایت ہم تک نہیں پہنچی اور میرا خیال نہیں کہ آپ نے ایسا

کیا تھا۔ اس وقت آپ کو ام المومنین سودہ کے لئے ایک گھر کی ضرورت تھی اور دوسرے گھر کی حاجت اس وقت تک نہیں پڑی جب تک آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رخصت کرا کے شوال ۲ ھ میں اپنے گھر نہیں لے آئے۔ لہذا ان گھروں کو آپ نے مختلف اوقات میں تعمیر کرایا تھا۔ سمہودی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہاں کے پہلے بیان یعنی حضرت حارثہ بن نعمان کے وقتاً فوقتاً مکانات ہدیہ کرنے کے بیان سے میل کھاتا ہے البتہ وہ بھی یہ تسلیم کر کے رہ جاتے ہیں کہ بہرحال یہ بیان ذہبی اس روایت کے مخالف ہے جو پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ حضرت عائشہ کا گھر رسبیت امسجد کی تعمیر کے ساتھ ہی بنایا گیا تھا۔ ظاہری بات یہ ہے کہ وہ اس وقت بھی آپ کی زوجہ محترمہ تھیں البتہ آپ نے ان کی رخصتی نہیں کرائی تھی۔ اور آپ کو وہ کرانی ہی تھی اس لئے آپ نے ان کا حجرہ بھی بنوا لیا تھا۔

سمہودی نے اس طرح بڑی خوبصورتی سے ذہبی اور زرکشی پر تنقید بھی کر دی اور اپنی تاویل کی لاج بھی رکھ لی۔ البتہ یہ سوال برقرار رہا۔ آپ نے جب مکانات تعمیر کرائے تو ان کے لئے ضروری سامان بالخصوص سامان تعمیر کہاں سے آیا تھا؟

سمہودی نے جس طرح واقدی کی ایک اکیلی روایت کی بنا پر قیاس و استنباط سے کام لیا اور تمام قدیم و متاخر روایات کی تاویل کر کے یہ ثابت کرنا چاہا کہ ازواج مطہرات کے سارے مکانات حضرت حارثہ بن نعمان انصاری کے ہدیہ و ہبہ کردہ تھے۔ اسی طرح بعض ناقدین کرام نے قیاس محض سے کام لے کر یہی ثابت کرنا چاہا ہے۔ انہوں نے ایک ستم ظلم یہ کیا کہ تمام دوسری روایات کو جو واضح طور سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں کو تعمیر کرنے کی بات کہتی ہیں قطعی نظر انداز کر دیا اور اپنے قیاس و استنباط کو واقعہ و درایت کا درجہ دے دیا اور اس سے بڑا ظلم یہ کیا کہ حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ سمیت تمام ازواج مطہرات کے مکانوں کی تعمیر کو بالحصر اور بالاطلاق سمہودیؒ کا بیان قرار دے دیا حالانکہ اوپر کی بحث سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ سمہودیؒ نے واقدیؒ کی روایت کی بنا پر ایک نتیجہ نکالا ہے اور انہوں نے حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ کے حجروں کی تصریح ہرگز نہیں کی جب کہ ناقدین کرام کے ہاں اس کی تصریح پائی جاتی ہے۔ سمہودیؒ کی طرح وہ بھی قیاس سے کام لیتے تو کوئی حرج نہ تھا مگر سمہودیؒ کی طرف اپنے قیاس کو منسوب کرنا اور پھر اس کو اول الذکر کا بیان قرار دینا تمام روایات واضحہ کا خون کرنا ہے۔ مزید برآں انہوں نے جوشِ نقد اور خروشِ استدراک میں سمہودیؒ کی بیان کردہ دوسری تمام روایات نظر انداز کر دیں کہ وہ ان کے دعوے کے پڑتی تھیں۔ لکھتے ہیں: "وفاء الوفا میں صراحت ہے حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ کے مکانوں سمیت مسجد نبوی کے قریب اور اس کے اردگرد سارے مکان جو ازواج مطہرات کے زیر استعمال تھے یہ سب مکان حارثہ بن نعمان کے تھے"۔ یہ صراحت تو ناقدین کرام کی ہے۔ سمہودی کی وفاء الوفا میں حضرت حارثہ بن نعمانؓ کے مکانات کے ہدیہ کے ضمن میں حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ میں سے کسی کا نام نہیں آیا اور نہ ہی ابن سعد وغیرہ کسی اور کے ہاں اسکی صراحت تو در کنار اشارہ تک ملتا ہے (جاری ہے)

# محفوظ قابلِ اعتماد مستعد بندرگاہ

## بندرگاہ کراچی
## جہازرانوں کی جنت
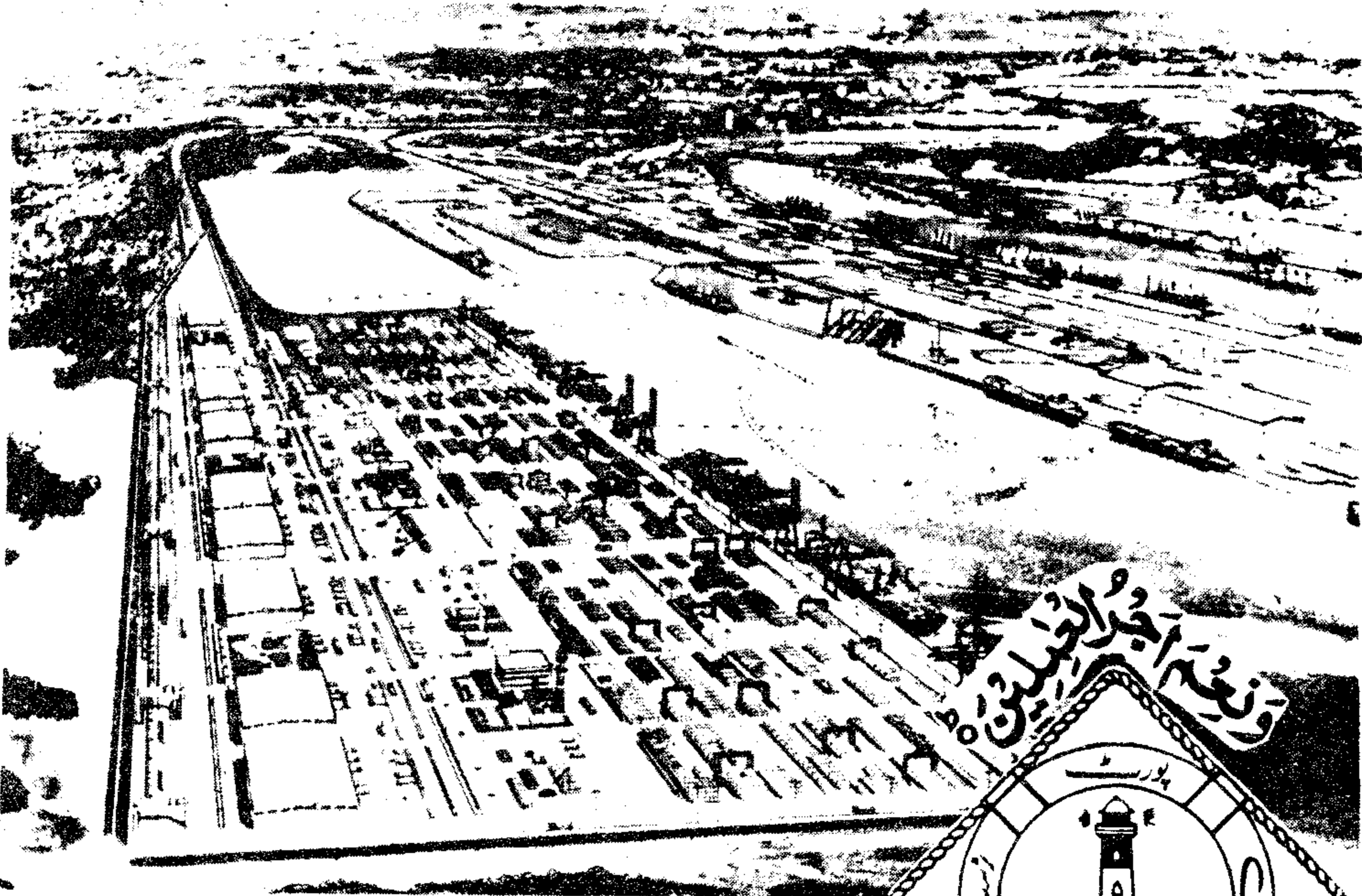
بندرگاہ کی خدمات کے جدید انداز کے ساتھ
عالمی تجارت کے لئے پُرکشش
پاکستانی معیشت کی تعمیر کے لئے کوشاں

ہماری کامیابیوں کی بنیاد

- انجنیئرنگ میں کمالِ فن
- جدید ٹیکنالوجی
- مستعد خدمات
- باکفایت اخراجات
- مسلسل محنت

## ۲۱ ویں صدی کی جانب رواں

بمع

جدید مربوط کنٹینر ٹرمینلز
نئے میرین پروڈکٹس ٹرمینل
بندرگاہ کراچی ترقی کی جانب رواں

شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ

# علم حدیث کی فضیلت اور برکات

دارالعلوم کے تعلیمی سال کی افتتاحی تقریب میں ۲۳ شوال دارالعلوم کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید مدظلہ نے ترمذی شریف کا درس دیا اور دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے مفصل خطاب فرمایا۔ ذیل میں حضرت مفتی صاحب کا درس پیش خدمت ہے۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی تقریر آئندہ شمارہ میں ہدیہ قارئین کر دی جائے گی۔ انشاء اللہ۔ (ادارہ)

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد! پس مناسب ہے کہ طلبہ علم حدیث کیلئے علم حدیث کے کچھ مزایا پیش کئے جائیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، ان رجالا یاتونکم من اقطار الارض یتفقھون فی الدین فاذا اتوکم فاستوصوا بھم خیرًا۔ (رواہ الترمذی) "یعنی زمین کے اطراف اور طبقات سے لوگ علم دین حاصل کرنے کے لیے تمہارے (اہل مدینہ کے) پاس آئیں گے پس ان کے متعلق میری یہ وصیت قبول کرو کہ تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے"۔ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنن دارمی بکسر الراء میں مروی ہے: کان اذا رای طلبۃ العلم قال مرحبا بطلبۃ العلم۔ وکان یقول ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصی بکم "یعنی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب علم دین کے طلبہ کو دیکھتے تو ان کو مرحبا کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے متعلق وصیت فرمائی ہے"۔

پس اساتذہ اور مہتممین اور علماء اور قدیم طلبہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان طلبۂ دین کو مرحبا کہیں اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں، ان کی حوصلہ افزائی کریں، ان کی دلجوئی کریں کہ یہی مسنون طریقہ ہے۔ ہمارے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کو طلبہ کی جائے سکونت کی کمی کا احساس ہے، ان کو اس پریشانی کی وجہ سے نیند نہیں آتی ہے۔

حدیث کے بہت سے مزایا اور فضائل ہیں میں صرف دس مزایا ذکر کرنے پر اکتفاء کر[illegible] اور اختصار سے عرض کروں گا۔

(۱) **حدیث** دین کے چار اصولوں میں سے ایک اصل اور دلیل ہے۔ دین کے چار اصول ہیں، قرآن[۱]، حدیث[۲]، اجماع[۳]، قیاس[۴] اور اعتبار۔ قرآن مجید نے ان چاروں اصولوں کی طرف راہنمائی کی ہے، پس جو شخص ان اصولوں میں سے کسی ایک اصل کا انکار کرے تو وہ قرآن کا انکاری ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (سورۃ المائدہ) ع آفتاب آمد دلیل آفتاب
اور فرماتے ہیں، مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (سورۃ ) اور فرماتے ہیں: وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَیَتَّبِـعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (سورۃ النساء) اور فرماتے ہیں: فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ۔ (سورۃ الحشر)
ان آیاتِ مقدسہ میں ان ہی اصولِ اربعہ کی طرف راہنمائی کی گئی ہے۔ بہرحال حدیث دین کے اصول میں سے ہے اور جو ملحد اور زندیق اپنے الحاد اور زندقہ کی اشاعت کرنا چاہے تو وہ اوّلاً حدیث کا انکار کرتا ہے تاکہ اُس کو اس اشاعت میں آسانی ہو۔

(۲) حدیث قرآنِ کریم کی شارح ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: لتبیّن لہم ما نزّل الیہم (سورۃ النحل)
قرآن مجید میں نہ فرائض کے اوقات کا واضح طور سے ذکر ہے نہ تعدادِ رکعات کا ذکر موجود ہے۔ یہ شرح اور وضاحت حدیث میں مروی ہے۔ تو بہرحال قرآن کی وہ وضاحت اور شرح مقبول ہوگی جو کہ حدیث میں مروی ہو۔ مثلاً خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ سے یہ مراد ہوگا کہ بعثتِ آخر کے بعد نبوت کا محل مکمل ہُوا، نہ کسی بروزی نبی کے لیے جگہ باقی رہی اور نہ ظلّی کے لیے، اس کے بعد کسی کو منصبِ نبوت سے فائز نہ کیا جائے گا۔

(۳) حدیث قرآن کی صیانت اور حفاظت کرتی ہے۔ قرآن مجید میں تحریفِ لفظی کی جرأت کوئی نہ کر سکا، البتہ تحریفِ معنوی کی بہت سے زنادقہ نے کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے، اہلِ علم نے حدیث کی برکت سے ان کو کامیاب نہ ہونے دیا۔

(۴) حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا سبب ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العلماء ورثۃ الانبیاء۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد علماء ہی آپ کے وارث اور جانشین بنے اور دین کی حفاظت اور اشاعت میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اور ہر دور میں اسلام اور انسان کے ہر دشمن کا مقابلہ کیا، بے سروسامانی اور اہلِ دنیا کو ظاہری احتیاج کے باوجود مداہنت میں مبتلا نہ ہوئے۔

(۵) حدیث نضارتِ وجوہ (چہروں کی تازگی) کا سبب ہے۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔
نضّر اللہ عبداً سمع مقالتی فحفظہا وعاہا وادّاہا۔ (رواہ الترمذی وغیرہ) اسی دعاءِ نبوی

کی وجہ سے محدثین حضرات کے چہرے تروتازہ ہوتے ہیں۔ علم منطق وغیرہ آلی علوم بہت کام کے علوم ہیں، حدیث انما الاعمال بالنیات کی بناء پران کا پڑھنا اور پڑھانا موجب ثواب ہے لیکن نضارت وجوہ کی دعاء نبوی ان کے حق میں مروی نہیں ہے یہ صرف علم حدیث کی خصوصیت ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ اس حدیث شریف میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ محدثین مطمئن رہیں گے اور ان کو باعزت ذریعہ معاش حاصل رہے گا۔

(۶) حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کا سبب ہے، جیسا کہ طبرانی میں مروی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللّٰھم ارحم خلفائی، قلنا من خلفاءک، قال الذین یروون الاحادیث ویعلمونھا الناس۔ (ترجمہ) "یا اللہ! میرے خلفاء پر رحم فرما، عرض کیا گیا آپ کے خلفاء کون ہیں؟ فرمایا میرے خلفاء وہ لوگ ہیں جو حدیث کی روایت کرتے ہیں اور لوگوں کو حدیث سکھاتے ہیں"۔

(۷) علم حدیث کثرت درود وسلام کا سبب ہے اور قیامت کے دن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کا ذریعہ ہے۔ کما فی روایۃ الترمذی عن ابن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی الناس بی یوم القیامۃ اکثرھم علی صلاۃ۔ (ترجمہ) "قیامت کے روز سب سے زیادہ میرے قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر کثرت سے درود پڑھتے ہیں"۔

(۸) حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک مجالس کی یاد دلاتی ہے، بعض اوقات درس حدیث کے دوران قلب پر غیر ارادی طور سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس مبارک کا ایک جلوہ نازل ہوتا ہے جیسا کہ گرمی کے موسم میں دریا کے کنارے پر بیٹھے ہوئے لوگوں پر سرد ہوا کا جھونکا قلب وروح میں سرور کا باعث ہوتا ہے۔

(۹) علم حدیث تمام علوم سے افضل ہے حتیٰ کہ علم تفسیر سے بھی افضل ہے۔ کیونکہ ماسوائے فقہ، تفسیر، حدیث کے دیگر علوم آلیات ہیں مقصود نہیں ہیں، اور فقہ اور تفسیر کی عبارات غالباً علماء کے اقوال ہوتے ہیں اور حدیث کی عبارات اقوال رسول اور افعال رسول ہوتے ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۱۰) علم حدیث سے انسان میں رواداری اور انصاف پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ علم حدیث پڑھنے والے کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ہر مجتہد کے مذہب کی بناء قرآن اور حدیث پر ہے۔ بعض احادیث کا ظاہر ہمارے لیے مؤید ہوتا ہے اور بعض میں ہم تاویل کے محتاج ہوتے ہیں، اور بعض احادیث کا ظاہر مخالفین کے لیے مؤید ہوتا ہے اور بعض میں وہ تاویل کے محتاج ہوتے ہیں۔

ہمارے علم میں چاروں ائمہ کے مقلدین میں یہ شیوہ باقی ہے، البتہ موجودہ دور کے بعض متعصب اور تشدد پسند اہل حدیث انتشار پھیلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رفع الیدین کی حدیث بخاری شریف

میں ہے جو کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اور مخالف کے پاس ابوداؤد شریف کی حدیث ہے — تو مختصر طور سے عرض ہے کہ آپ اہلِ حدیث ہیں یا اہلِ بخاری؟ تمہارے کلام سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ اہلِ بخاری ہیں اہلِ حدیث نہیں ہیں۔ الحمدللہ اہلِ حدیث ہم ہیں کہ ہر حدیث پر قواعد کے موافق عمل کرتے ہیں، نیز یہ ہم مانتے ہیں کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری ہے، لیکن آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ یہ تو شر القرون کے مشائخ کا مقولہ ہے نہ قال اللہ ہے نہ قال الرسول ہے نہ خیر القرون سے مروی ہے، تو آپ کے لیے اس پر تمسک زیبا نہیں ہے اس پر تمسک مقلدین کے لیے زیبا ہے — نیز اصح الکتب ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ تعارض کے وقت یہ حدیث مرجوح نہیں ہوتی ہے البتہ منسوخ ہوسکتی ہے، جیساکہ قرآن کریم تمام کتب سے اصح اور اثبت ہے تو کسی آیت کو مرجوح نہیں کہا جاسکتا ہے منسوخ ہوسکتا ہے۔ ہمارے پاس رفع الیدین کے منسوخ ہونے کے قرائن اور شواہد موجود ہیں۔

بہرحال ہمارے اکابر کا درسِ حدیث جامع مانع ہوتا ہے اس میں ہر قسم کے مسائل زیرِ بحث لائے جاتے ہیں اور سیاست بھی۔ اس سلسلہ کے امور ہمارے محترم (جناب محترم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ) ذکر کریں گے۔ ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم احادیث ذوق و شوق سے پڑھیں اور اتباعِ سنت کیا کریں۔ کویت وغیرہ کے ریال اور دراہم سے بچیں، لیکن اتباعِ سنت کا یہ مطلب نہیں کہ ہم مجتہد بنیں یا اہلِ حدیث بنیں — یہ فقہ، قرآن و حدیث اور آثار کا خلاصہ ہے اور علم و معرفت اور احکام و استنباطِ مسائل کی پکی پکائی روٹی ہے۔

جناب الحاج محمد ابراہیم یوسف باوا (برطانیہ)

# حاکم کی ذمّہ داریاں

ساری دنیا میں جہاں بھی نظر اٹھاویں کرسی اور اقتدار حاصل کرنے کا جھگڑا دیکھنے، سننے اور پڑھنے میں آتا ہے چاہے اس کی اہلیت و قابلیت رکھتا ہو یا نہیں، اس کے لیے تختوں کا الٹ جانا، خون خرابہ ہونا روزانہ کا معمول بن چکی ہیں اور اس میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں برابر کے شریک ہیں لیکن مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ملک کا حاکم، قوم کا لیڈر، دینی اداروں اور کاموں کا بڑا اور امیر بننے بنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو جاننا نہایت اور اشدّ ضروری ہے تا کہ اپنی ذمّہ داریوں کا احساس و علم ہو اور اپنی ذمہ داریوں کو شرعی حدود میں رہ کر پوری طرح ادا کر سکے۔

ایسے لوگوں کے لیے جو شرعی حدود میں رہ کر حکومت کا پورا حق ادا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو اللہ (تعالیٰ) کے اختیار میں ہے" (الحج ۲۲ : ۴۱) (بیان القرآن ص ۴۰۶)

تفسیر آیت شریفہ | حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ "معارف القرآن جلد ۶ ص ۲۷۱" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کو زمین میں حکومت و اقتدار دیدیا جائے تو یہ لوگ اپنے اقتدار کو ان کاموں میں صرف کریں گے کہ نمازیں قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کاموں کی طرف لوگوں کو دعوت دیں، برے کاموں سے روکیں اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ یہ آیات ہجرت مدینہ کے فوراً بعد اس وقت نازل ہوئی ہیں جبکہ مسلمانوں کو کسی بھی زمین پر حکومت و اقتدار حاصل نہیں تھا، مگر حق تعالیٰ نے ان کے بارے میں پہلے ہی یہ خبر دیدی کہ جب ان کو اقتدارِ حکومت ملے گا تو یہ دین کی مذکورہ اہم خدمات انجام دیں گے، اسی لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

فرمایا ثناء قبل بلاء یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عمل کے وجود میں آنے سے پہلے اس کے عمل کرنے والوں کی مدح وثنا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی اس خبر کا جس کا وقوع یقینی تھا اس دنیا میں وقوع اس طرح ہوا کہ چاروں خلفائے راشدین اور مہاجرین الذین اخرجوا کے صحیح مصداق تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں کو سب سے پہلے زمین کی تمکنت وقدرت یعنی حکومت وسلطنت عطا فرمائی اور قرآن کریم کی پیشینگوئی کے مطابق اُن کے اعمال وکردار اور کارناموں نے دُنیا کو دکھلا دیا کہ انہوں نے اپنے اقتدار کو اسی کام میں استعمال کیا کہ نمازیں قائم کیں، زکوٰۃ کا نظام مضبوط کیا، اچھے کاموں کو رواج دیا اور بُرے کاموں کا راستہ بند کیا۔

اس لیے علماء نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ خلفاء راشدین سب کے سب اسی بشارت کے مصداق ہیں اور جو نظام خلافت ان کے زمانہ میں قائم ہوا وہ حق وصحیح اور عین اللہ تعالیٰ کے ارادے اور رضا اور پیشگی خبر کے مطابق ہے"۔[۱۲]

اس کے برخلاف ذرا آج کی دُنیا اور اس میں درجنوں اسلامی حکومتوں پر نظر ڈال کر دیکھیں کہ ان میں کتنے ایسے ہیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام انجام دیتے ہیں؟ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے یعنی قرآن وسنت کے مطابق زندگی گذارنے کی سعی کرنا تو درکنار خود بھی اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں پر نہیں چلتے بلکہ اس کے خلاف کھلے بازار عمل کر کے دین واسلام کا جنازہ نکال رہے ہیں۔

ایسے حکومت والوں کے لیے ہم چند احادیث پیش کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں (اور ہمیں) ہدایت نصیب فرمائے اور اپنے فرائض کو ادا کرنے کی نیک توفیق اور ہمت واستقلال نصیب فرمائے۔ آمین

تقریباً سوا لاکھ ایمان ویقین سے لبریز حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ساری دنیا پر بھاری تھے اور ہم ایک سو بیس کروڑ نام کے مسلمان دُنیا میں چوہوں کی طرح زندگی گذار رہے ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ ہم میں سے کسی نے بھی اپنی حکومت کی ذمہ داری کا حق ادا نہ کیا اور اسی لیے ہماری نہ کوئی وُقعت ہے نہ دبدبہ! ہم ذلت کی زندگی گذار رہے ہیں (انا للہ وانا الیہ راجعون) عراق کا تازہ ترین واقعہ ہمارے سامنے ہے ۔

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا تُو نے ‌ ‌ ‌ ‌ وہی چراغ جلاؤ تو روشنی ہوگی

**آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث**

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بھی دس یا اس سے

زیادہ افراد پر حاکم بنا اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس حالت میں لائیں گے کہ اس کے ہاتھ اس کی گردن کا طوق ہوں گے پھر اس کی نیکی اس کو چھڑائے گی، اس کا گناہ اس کو ہلاک کر دے گا۔ اس کا پہلا نتیجہ ملامت ہے، درمیان میں ندامت اور آخر میں قیامت کے دن کی رسوائی۔ (بینات ۲، ۵/۳ بحوالہ مشکوٰۃ)

ایک اور حدیث میں ہے کہ اس کا پہلا نتیجہ ملامت ہے، دوسرا ندامت ہے اور تیسرا نتیجہ قیامت کے دن کا عذاب ہے مگر جو عدل کرے۔ (مجمع الزوائد)

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک تم لوگ حکومت کی حرص کرو گے اور یہ قیامت کے دن ندامت ہوگی، پس یہ جب دودھ پلاتی ہے تو خوب پلاتی ہے اور جب دودھ چھڑاتی ہے تو بری طرح چھڑاتی ہے۔ (بخاری و مشکوٰۃ از بینات)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ اُسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی نگہبانی سپرد کی ہو اور اس میں اس نے دھوکہ بازی سے کام لیا ہو پھر اُسے جنت مل جائے بلکہ جب وہ مرے گا تو ایسی حالت میں مرے گا کہ جنت اس پر حرام کر دی گئی ہوگی۔ (متفق علیہ عن معقل بن یسارؓ)

(۴) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مسلمانوں کی جماعت میں سے تعلقات کی وجہ سے کسی ایسے شخص کو امور حکومت کی ذمہ داری سونپی کہ اس سے زیادہ نیک ان میں موجود تھا تو اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت کی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت کی اور اہل ایمان کے ساتھ خیانت کی۔ (حاکم عن ابن عباسؓ)

(۵) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی نماز قبول نہیں فرماتے۔ (البلاغ ۲۵، ۳، ۲۰)

(۶) حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کے امر میں کسی شے کا والی ہوا اسکو بروز قیامت لایا جائے گا یہاں تک کہ جہنم کے پل پر کھڑا کیا جائے گا، پس اگر وہ نیکو کار تھا تو نجات پا جائے گا اور اگر اُس نے دیانتداری سے کام نہیں کیا ہوگا تو اُس سمیت پل پھٹ جائے گا اور یہ جہنم کی گہرائی میں ستر سال تک گرتا رہے گا۔ (الفاروق ۶، ۳، ۳۲ بحوالہ حیاۃ الصحابہؓ)

(۷) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکومت کے طلبگار نہ بنو کیونکہ حکومت و سرداری اگر تمہاری خواہش و طلب پر تمہیں دی گئی تو تمہیں اسی کے سپرد کر دیا جائے گا۔ (حالانکہ منصب حکومت کی ذمہ داریاں اتنی زیادہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ان کو پورا کرنا ممکن نہیں) اور اگر بغیر طلب و خواہش کے حکومت و امارت تمہیں دی گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی۔ (متفق علیہ از اقراء ۵-۹-۱۰)

(۸) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خبردار! تم میں سے ہر شخص اپنی رعیت کا نگہبان ہے اور قیامت کے دن تم میں سے ہر شخص سے (اپنی رعیت کے بارے میں جواب طلبی (بازپرس) ہوگی۔ (متفق علیہ از اقراء ۵-۹-۱۰)

(۹) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک عادل حکمران اللہ کے یہاں (بروز قیامت) نور کے ممبروں پر ہوں گے جو رحمٰن کے دائیں ہاتھ کی طرف ہوں گے اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں، اور عادل حکمران وہ ہیں جو اپنے تمام احکام و فیصلوں میں، اپنے اہل میں اور اپنے زیر تصرف معاملات میں انصاف سے کام لے گا۔ (مسلم از اقراء ۵-۹-۱۰)

(۱۰) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی کہ اے اللہ! جس کو میری اُمت کے اُمور میں سے کسی اَمر میں والی و حکمران بنایا گیا اور اس نے میری اُمت کے لوگوں پر سختی و مشقت مسلط کی، اے اللہ! تُو بھی اُس پر سختی مُسلّط کر دے اور جس نے میری اُمت کے ساتھ نرمی برتی تو بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرما۔ (مسلم از اقراء ۵-۹-۱۰)

(۱۱) حضور نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حکومت و سرداری حاصل کر کے اپنی رعایا پر حکمرانی کرے اور اُن پر ظلم کرتا ہو اور اُن کے حقوق میں خیانت کرتا ہوا مر جائے تو اللہ تعالیٰ اُس پر جنت کو حرام کر دیں گے۔ (مسلم از اقراء ۵-۹-۱۰)

(۱۲) حضور نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو کسی جگہ کا حاکم بنائیں اور وہ وہاں کے لوگوں کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی کا معاملہ نہ کرے تو بروز قیامت وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔ (مسلم از اقراء ۵-۹-۱۰)

(۱۳) حضور نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب اور مرتبہ کے اعتبار سے اللہ کے سب سے زیادہ قریب عادل حکمران ہوگا اور لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ کے یہاں ناپسندیدہ اور عذاب کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہوگا جو ظالم حکمران ہوگا۔
(مسلم از اقراء ۵-۹-۱۰)

(۱۴) حضور نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی ناجائز اَمر کو ہوتے ہوئے دیکھے، اگر اُس پر قدرت ہو کہ اُس کو ہاتھ سے بند کر دے تو اُس کو بند کر دے، اگر اتنی قدرت نہ ہو تو زبان سے اس پر انکار کر دے، اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اس کو بُرا سمجھے، اور یہ ایمان کا بہت ہی کم درجہ ہے۔ (مسلم از فضائلِ تبلیغ ص۸)

(۱۵) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہتر جہاد اُس شخص کا ہے جو ظالم بادشاہ کے

(باقی ص۵۷ پر)

پی - این - ایس - سی برّاعظموں کو ملاتی ہے - عالمی منڈیوں کو آپ کے قریب لے آتی ہے - آپ کے مال کی بروقت، محفوظ اور باکفایت ترسیل برآمدکنندگان اور درآمدکنندگان، دونوں کے لئے نئے مواقع فراہم کرتی ہے۔
پی - این - ایس - سی قومی پرچم بردار - پیشہ ورانہ مہارت کا حامل جہازراں ادارہ، ساتوں سمندروں میں رواں دواں

**قومی پرچم بردار جہازراں ادارے کے ذریعہ مال کی ترسیل کیجئے**

**پاکستان نیشنل**
**شپنگ کارپوریشن**
قومی پرچم بردار جہازراں ادارہ

جناب ابو علی صاحب

# حضرت سیّد محمد جونپوریؒ

## اور

# مولانا ابو الکلام آزادؒ

سید محمد جونپوری، جون پور کے رہنے والے تھے۔ ۸۴۷ء میں پیدا ہوئے ان کے جو شدید مخالف تھے وہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ علوم رسمیہ میں کمال کے ساتھ زہد و درویشی اور ورع و تقویٰ میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ شیخ علی متقی جو ان کے معاصر اور سخت مخالف تھے اور ان کے رد میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے، وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا ابتدائی عہد کمال زہد و تقشف اور استغراق و استہلاک باطنی میں گذرا۔ سات سال تک ان کا یہ حال رہا کہ پے در پے روزہ رکھتے اور تن تنہا ایک گوشہ میں پڑے رہتے۔ اسی اثناء میں یہ کیفیت طاری ہوئی، کہ ان کو محسوس ہوا کہ کہیں سے صدا آرہی ہے کہ " انت المھدی " تم مہدی ہو۔ برسوں تک متامل اور سوچتے رہے کہ معاملہ کیا ہے لیکن جب یہ آواز مسلسل سنائی دی تو انہوں نے اپنے مہدی ہونے کا اعلان کر دیا۔

نویں صدی ہجری کا زمانہ جو اکبر سے پہلے گذرا وہ بڑا ہی پُر آشوب تھا۔ سخت بدامنی اور طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی روز روز بادشاہتیں قائم ہوتیں اور ختم ہو جاتیں۔ کوئی مرکزی حکومت باقی نہیں رہی تھی جو احکام شرع کے اجراء اور قیام کی ذمہ دار ہوتی۔ علمائے دنیا ہر طرف پھیلے ہوئے تھے اور وہ طرح طرح کے فتنے برپا کرتے رہتے تھے دنیا طلبی اور مکر و زور کی گرم بازاری تھی ان سب سے بڑھ کر یہ تھا کہ جاہل صوفیوں کی بدعات و منکرات نے ایک عالم کو گمراہ کر رکھا تھا یہ حال سید موصوف سے نہ دیکھا گیا اور انہوں نے بلا خوف لومۃ لائم احیائے شریعت اور قیام امر بالمعروف کا غلغلہ بلند کر دیا اور لوگوں سے کہا کہ اس وقت مجاہدہ و ریاضت اور ذکر و شغل کی ضرورت نہیں ہے سب سے بڑا مجاہدہ یہ ہے کہ خلق اللہ کو سیدھی راہ پر لگاؤ۔ اور احکام شرعیہ کے اجراء کی راہ میں اپنی جانیں لڑا دو، اللہ تعالیٰ کی دعوت و تذکیر میں ایسی تاثیر بخشی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں آدمی ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور متعدد فرماں روایانِ وقت نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کے معتقدین کے طور و طریق ایسے عاشقانہ اور والہانہ تھے کہ ان کو دیکھ کر صحابہ کرام کے خصائص ایمانی کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ انہوں نے خون کے رشتوں اور وطن و زمین کی الفتوں

کو ایمان اور محبت الٰہی کے رشتے پر قربان کر دیا تھا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر راہ حق میں نکل پڑے اور ایک دوسرے کے رفیق اور غم گسار بن گئے۔ اور بجز خلق اللہ کی ہدایت، خدمت اور احکام شرع کے اجراء کے دنیا کے اور کسی کام سے ان کو واسطہ نہ تھا۔ جو ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوتا اس کے لئے تین منزلوں سے گذرنا ضروری تھا ایک یہ تھی کہ جو اس راہ میں قدم رکھے وہ قید وطن سے آزاد اور گھر بار چھوڑ کر اپنے برادران طریقت کا ساتھی اور غم گسار بن جائے۔ دوسری منزل ترک مال کی ہے۔ یعنی اس کے پاس جو کچھ ہو وہ اپنے یاران طریقت میں بانٹ دے ———
لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون تیسری منزل اس راہ کی ترک جان کی ہے فتمنوا الموت ان کنتم صادقین اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔ یعنی ہر وقت راہ خدا میں سر بکف رہو۔ اگر اعدائے شریعت سرنگوں نہ ہوں تو قوت حدید سے کام لو۔ فیہ باس شدید یہی چند باتیں تھیں جن پر ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے کے بعد عمل کرنا ضروری تھا اور یہ سب کی سب بالکل حق تھیں عشق و محبت الٰہی کی راہ میں جاں سپاری کتنی بڑی سعادت ہے لیکن افسوس کہ آگے چل کر خود ان کے معتقدوں نے ان کو کچھ سے کچھ بنا دیا۔

ترک جان و ترک مال و ترک سر
در طریق عشق اول منزل است

ان کی یہ تعلیمات تھیں جن کو ان کے موافقین اور مخالفین سب نے لکھا ہے لیکن ان کے معتقدین نے ان کو شرع کا رنگ دے دیا اور مخالفین کو ان کی مخالفت کا ایک بہانہ آ گیا اور بعض باتوں کو تکفیر و تفسیق کے لئے محبت ٹھہرا لیا افسوس ہے کہ دنیا کی تاریخ ہدایت و اصلاح کی نصف گتھیاں اس سوء فہم اور تاویل و تعبیر باطل کی الجھائی ہوئی ہیں۔ کہا کچھ گیا اور سمجھا کچھ گیا معتقدین نے غلو کیا اور مخالفین نے تعصب و تشدد سے کام لیا اور اس تاریکی میں اصل حقیقت گم ہو کر رہ گئی۔

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

سب راہ کا سب سے بڑا فتنہ یہی سوء فہم ہے۔ بتلانے والوں نے کیا کہا تھا اور سمجھنے والوں نے سمجھا کیا کہ ان غلط فہمیوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہر طرف سے مخالفت ہونے لگی۔ پہلے تضلیل و تکفیر کا سلسلہ چلا۔ پھر کشت و خون تک نوبت پہنچی۔ سب سے زیادہ علماء دنیا کو ان کی ہوا پرستیوں اور غفلت پر سرزنش کرتے تھے۔ جب مخالفت کا بہت زور ہوا تو گجرات چلے گئے۔ سلطان محمود دکلاں صورت دیکھتے ہی معتقد ہو گیا۔ لیکن علماء سوء نے ان کو وہاں بھی نہ بخشا اور مخالفت شروع کر دی۔ مجبوراً حجاز کا رخ کیا۔ وہاں سے ایران گئے۔ سلطان اسمٰعیل صفوی کا زمانہ تھا۔ اس نے ان کے ارد گرد ہجوم خلائق دیکھا تو ایران سے نکل جانے کا حکم دیا۔ ہندوستان کی طرف واپس آرہے تھے کہ فراہ میں انتقال ہو گیا

ملا عبدالقادر بدایونی ۹۱۱ھ کے واقعات کے سلسلے میں لکھتے ہیں :-

دریں سال سید محمد جونپوری قدس سرہٗ از اعاظم اولیائے کبار کہ دعویٰ مہدویت از سر بر زدہ بود ہنگام مراجعت از مکہ معظمہ بجانب ہند در بلدہ فراہ داعی حق را لبیک فرمود۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکہ معظمہ ہو کر ہندوستان آرہے تھے اور جب فراہ میں پہنچے تو انتقال ہو گیا ان کی طرف طرح طرح کے دعاوی اور شطحیات منسوب کئے گئے ہیں۔ معتقدین کو تو چھوڑ دیئے کہ وہ جس سے عقیدت رکھتے ہیں تو اس کو خدا بنائے بغیر نہیں رہتے۔ زیادہ احتیاط کی تو اس کو نبوت تک پہنچا دیا۔ لیکن ان کے معاملے میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ :-

"سید محمد جونپوری کا یہ اعتقاد تھا کہ جو کمال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکھتے تھے، وہی کمال ان کو بھی حاصل تھا۔ فرق اتنا تھا کہ حضور کو براہ راست خدا کی طرف سے یہ کمال حاصل تھا اور ان کو حضورؐ کے اتباع میں اور تبعیت رسول اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ روحانی کمالات میں اسی کی طرح ہو گئے"

لیکن شاہ صاحب نے یہ نہیں لکھا کہ سید موصوف نے یہ بات کہی یا ان کے مریدین و معتقدین کی پیر پرستانہ منقبت سرائی ہے۔ ام العقاید جو ان کی جانب منسوب ہے وہ ان کے مریدوں کی لکھی ہوئی ہے۔

ہدیۂ مہدویہ نے اس کی عبارتیں نقل کی ہیں لیکن ان کا انتخاب سید محمد کی جانب مشکوک و محل نظر ہے۔ بہر حال اس قسم کی باتیں دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو یہ معتقدین کا غلو، افراط عقیدت، سوء فہم اور زیغ نظر ہے یا غلبۂ حال کا نتیجہ ہے جو اس راہ کے بڑے بڑے کاملین اور واصلین تک کو پیش آئے ہیں۔ کسی نے اس عالم میں "لوائی ارفع من لوا محمد" کہا اور کوئی "سبحانی سبحانی ما اعظم شانی" پکار اٹھا اور کوئی کچھ اور کوئی کچھ۔

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم
جنید و شبلی و عطار ہم مست

تو اگر ان تمام حضرات کی طرف سے مغلوبیت سکر و حال کا نتیجہ قرار دے کر خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے اور ان کے اسلام و ایمان پر شک نہیں کیا جاتا تو پھر سید محمد جونپوری نے کیا قصور کیا ہے کہ کمال زہد و ورع، اتباع شریعت، قیام امر بالمعروف و نہی عن المنکر، ایثار فی اللہ وغیرہ کی بنا پر جس پر موافق تو موافق، مخالف تک کو انکار نہیں۔ ان کو حسن ظن اسلامی کا مستحق نہ سمجھا جائے اور صرف چند کلمات غریبہ کی بنا پر جن کی اصلیت مشتبہ ہے ان کو مومن نہ سمجھنے پر اتر آئیں ؎

لالہ ساغر گیر و نرگس مست و بر ما نام فسق
داوری خواہم مگر یارب کرا داور کنم

مہدوی ان ہی بزرگ کی طرف منسوب ہے۔ اس کی بنیاد تو درحقیقت صداقت وحق پرستی پر پڑی تھی۔ یعنی دعوتِ حق، احیائے شریعت، قیام فرض امر و نہی عن المنکر وغیرہ وغیرہ خود سید محمد اوران کے پیر و بڑے ہی پاک نفس اور خدا پرست تھے۔ جن کو دیکھ کر خدا یاد آجاتا تھا لیکن افسوس کہ رفتہ رفتہ اس کی بنیادی صداقت غلو و محدثات میں گم ہوگئی اور فرقہ مہدویہ کو مسلمانوں کے گمراہ فرقوں میں شامل کر لیا گیا اور اس وقت سے اس کے خلاف تکفیر شروع ہوئی تو اب تک قائم ہے (ملخص از تذکرۂ مولانا ابوالکلام آزاد)

یہ مولانا ابوالکلام آزاد پہلے بزرگ ہیں جو تاریخ کے حقائق کی روشنی میں اپنی اس کتاب "تذکرہ" میں ان کی طرف سے صفائی پیش کرتے ہیں اوران کو امر بالمعروف، نہی عن المنکر، احیائے شریعت اور دعوتِ حق کا علمبردار قرار دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت سید محمد جونپوری نے خود اس کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ انہوں نے کبھی اپنے کو مہدی موعود سمجھا۔ اگر عالم سکر میں یہ الفاظ ان کی زبان پر آگئے تھے تو سکر کی کیفیت دور ہوجانے کے بعد اس کی تردید بھی فرمادی۔ جیساکہ خزینۃ الاصفیاء اور تحفۃ الاکرام وغیرہ میں ہے۔ مراۃ محمدی کے مصنف نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔

یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ ان کی دعوت حق کی جو تحریک ہندوستان سے گذر کر ایران وعرب و حجاز تک پہنچ گئی تھی۔ اور جس کے حلقۂ ارادت میں وقت کے بڑے بڑے سلاطین، علماء اور زہاد آگئے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی قلم برداشتہ چند سطروں کے سوا جو ضمناً علماء دنیا پرست کے ذکر کے سلسلے میں تذکرہ میں آگئی ہیں۔ اردو میں اب تک کچھ نہیں لکھا گیا۔ ایک صاحب نے الفرقان لکھنو میں فارسی کے بعض تذکروں کی مدد سے اس پر لکھنا شروع کیا تو وہ بھی مواد کی کمی سے تشنہ رہ گیا۔ زیادہ تر انہوں نے اس تذکرہ کو اپنے مضمون کا ماخذ قرار دیا ہے۔ اپنی کوئی نئی تحقیق، جیساکہ توقع تھی پیش نہیں کی۔ ضرورت ہے کہ کوئی صاحب اس کو اپنی تحقیق کا موضوع بنائیں۔ عربی، فارسی اور اردو میں سید محمد جونپوری اوران کی تحریک مہدویت کے متعلق جو کچھ ہے اس کو تلاش کرکے منظر عام پر لائیں۔

خود مولانا ابوالکلام صاحب نے بھی اس کو تذکرہ میں ضمناً ہی لکھا ہے۔ تحقیق کا حق جیساکہ چاہئے تھا ادا نہیں کیا۔ شیر شاہی و سلیم شاہی عہد کے اکابر اولیاء میں ایک بزرگ شیخ داؤد جھنی وال تھے۔ ان پر مہدوی ہونے کا شبہ تھا۔ اتنی ہی بات مخدوم الملک کی مخالفت کا سبب بن گئی۔ جو اس وقت بڑے اقتدار کے مالک تھے اور جو چاہتے تھے ان سوری فرماں رواؤں سے منوا لیتے تھے لیکن شیخ پر یہ الزام ثابت نہ ہوسکا ورنہ ان کے لئے بھی جام شہادت تیار ہوجاتا جو مخدوم الملک کے ہاتھوں بعض دوسرے اہل اللہ کو پینا پڑا۔ ان ہی بزرگ کے ذکر کے سلسلے میں سید محمد جونپوری اوران کی تحریک مہدویت پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے۔

عہدِ مغلیہ پر اردو زبان کے معتبر مورخ سید صباح الدین عبدالرحمن اپنی کتاب بزم تیموریہ کے دوسرے ایڈیشن میں جو پہلے ایڈیشن سے کہیں زیادہ ضخیم ہے اور جو صرف بابر سے لے کر اکبر تک کے حالات پر مشتمل ہے

اکبری دور کے امراء کے ذیل میں مخدوم الملک کے متعلق رقم طراز ہیں۔

"مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوری کا لقب تھا یہ مضافات لاہور کے رہنے والے تھے ان کا خاندان انصاری تھا، عربی، اصول فقہ، تاریخ اور علوم منقولات میں ان کو بڑی اعلیٰ دستگاہ حاصل تھی۔ علوم دینی میں اپنی اعلیٰ قابلیت کی بنا پر ہمایوں کے دربار سے وابستہ ہوتے تو اس نے ان کو مخدوم الملک کا خطاب اور شیخ الاسلام کا عہدہ عطا کیا، شریعت کی ترویج میں برابر کوشاں رہے۔ بہت متعصب سنّی تھے ملحدوں اور شیعوں سے ان کو سخت نفرت تھی۔ شیر شاہ کے مقابلے میں بدقسمتی سے جب ہمایوں کو شکست ہو گئی اور وہ بھاگ کر ایران چلا گیا تو مولانا عبداللہ سور خاندان کے حکمرانوں کے دربار سے منسلک ہو گئے۔ اس زمانے میں تحریک مہدویت کا بڑا زور تھا وہ اس کے سخت مخالف تھے جس پر بھی ان کو مہدویت کا شبہ ہو جاتا اس کو سزا دیئے بغیر نہیں رہتے سلیم شاہ سوری کے عہد کے دو جلیل القدر علماء شیخ علائی اور شیخ نیازی مہدویت کے علمبردار تھے شیخ علائی کو پکڑوا کر اتنے درّے لگوائے کہ وہ جاں بحق ہو گئے۔ ملّا عبدالقادر بدایونی ان کو اپنی تاریخ میں درویش آزاد سے یاد کرتے ہیں"

سلیم شاہ، مخدوم الملک کی جس قدر عزت کرتا تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ وہ اور مخدوم الملک ایک ساتھ ایک تنگ گلی سے گذر رہے تھے کہ سامنے سے ایک مست ہاتھی آتا ہوا دکھائی دیا۔ مخدوم الملک نے جوش وفاداری میں آگے بڑھ کر ہاتھی کو روکنا چاہا تو سلیم شاہ نے ان کو روک دیا اور کہا کہ مجھے آگے بڑھنے دیجیئے اگر میں ہلاک ہو گیا تو میری جرار فوج کے یہ تولا کھا افغانی وہ جگہ پُر سکتے ہیں اور سلطنت کو انتشار سے بچا سکتے ہیں لیکن اگر خدانخواستہ آپ جاں بحق ہو گئے تو آپ جیسا ہندوستان میں ایک مدت مدید تک عالم پیدا نہ ہو سکے گا۔

ایک مرتبہ وہ دربار میں آئے تو ان کو اپنے تخت پر بٹھایا اور موتی کی ایک تسبیح ان کو پیش کی جس کی قیمت بیس ہزار روپے تھی۔

سوری خاندان کا خاتمہ ہو گیا تو مولانا عبداللہ اکبر کے دربار میں آ گئے۔ جہاں انہوں نے علمی فضیلت اور دینی کمالات کی وجہ سے امارت کے ساتھ بڑا جاہ و جلال بھی حاصل کر لیا۔ ملک کی سیاست میں بھی ان کا بڑا عمل دخل تھا اور اس سلسلہ میں انہوں نے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیے۔ گجرات کی فتح تک ان کو بڑا عروج اور اقتدار حاصل تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے شیخ ناگوری پر مہدوی اور بدعتی ہونے کا الزام رکھ کر اکبر سے ان کی گرفتاری کی اجازت

بھی لے لی۔ مگر رفتہ رفتہ جب شیخ مبارک ناگوری اور ان کے لائق لڑکوں ابوالفضل اور فیضی کا رسوخ دربار میں بڑھا تو مولانا عبداللہ پر زوال آگیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی اس کتاب میں ان کے محض فقہی حیل اور مہدویت کی مخالفت کی بنا پر علماء سو میں شمار کیا ہے اور ان کے عجیب وغریب قصے لکھے ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے۔ کہ باایں ہمہ دولت وتمول جو انہوں نے اپنی شیخ الاسلامی کے زمانے میں حاصل کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اپنی خاندانی قبروں میں چاندی سونے کی اینٹیں مدفون کر دی تھیں۔ عمر بھر کبھی زکوٰۃ ادا نہیں کی۔ زکوٰۃ سے بچنے کے لئے اپنا سارا اندوختہ اپنی بیوی کے نام منتقل کر دیتے تھے اور وہ ایک سال پورا ہونے سے پہلے ان کے نام بخش دیتی۔ اس طرح حول کامل دونوں میں سے کسی پر نہ گذرتا کہ ادائے زکوٰۃ کی شرط پر دونوں اترتے۔ یہی وہ ہمیشہ کرتے۔ اسی وجہ سے انہوں نے حج بھی نہیں کیا کہ حج کے فرض ہونے کی بھی یہی شرط ہے لیکن جب ان پر زوال آیا تو ان کو زبردستی حج کے لئے بھیجا گیا۔ بلکہ ان کو وہیں جلا وطن بھی کر دیا گیا۔ لیکن ایک امیر کی سفارش سے ان کو پھر ہندوستان آنے کی اجازت مل گئی۔ لیکن عمر نے وفا نہیں کی اور انتقال کر گئے۔

معلوم نہیں ان کی دولت وثروت کا کیا حشر ہوا۔ ان کو مہدویت کے استیصال میں بڑا دخل ہے اور وہ بالآخر ختم ہو گئی۔ یہاں تک کہ لٹریچر بھی عام طور سے نہیں ملتا۔ حیدرآباد سے دو ایک رسالے اس کے متعلق شائع ہوئے ہیں لیکن وہ اتنے مختصر ہیں کہ ان کو پڑھ کر تشفی نہیں ہوتی۔ مولانا نے اپنے زمانۂ نظربندی رانچی میں علمائے سوء کے تذکرہ کے سلسلہ میں ضمناً اس لئے اس پر کسی قدر روشنی ڈالی تھی کہ کوئی صاحب ہمت اس سے آگے بڑھ کر اپنی تحقیق کا مستقل موضوع بنائیں گے۔ اور اس تحریک کے مالہٗ وما علیہ پر اس کے تمام لٹریچر کو سامنے رکھ کر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالیں گے۔ لیکن افسوس کہ آج تک اس پر ایک حرف کا اضافہ نہ ہو سکا۔ اور یہ موضوع ابھی تک تشنۂ تکمیل ہے کیا یونیورسٹیوں اور ڈگری کالجوں کے اسلامیات کے ریسرچ اسکالر اور ندوہ و دیوبند وغیرہ کے فضلاء اس کو اپنی تحقیق کا موضوع بنائیں گے؟ اس میں محنت ضرور ہے لیکن اس سے ہندوستان کی اپنی تاریخ کا ایک گوشہ ضرور سامنے آجائے گا ■

# افکار و تاثرات

- مسئلہ اہلِ بیت :۔ علامہ طالب قریشی / سید حبیب اللہ شاہ نقشبندی
- جہادِ افغانستان اور ناپاک امریکی عزائم :۔ جناب نصر اللہ کاکڑ طلبہ اسلامک یوتھ فورس
- الحق کے مضامین اور قارئین کا اظہارِ خیال :۔ نثار احمد (بھارت) / احسان اللہ مضطر (قطر) / مولانا قطب الدین بہاولپور / شفیع الدین حیدر کراچی

## مسئلۂ اہلبیت

● الحق کے شمارہ جون میں ایک مضمون "مسئلۂ اہلبیت" کے متعلق گذارش ہے کہ مضمون نگار ابوارقم انصاری صاحب نے "خیر خواہِ اُمت" کا لبادہ اوڑھ کر اہلسنت وجماعت میں افتراق و انتشار پیدا کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ ان کے اسلوبِ نگارش سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ وہ کس مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ کوشش کوئی نئی نہیں ہے، یہ لوگ مدت سے کراچی کو مرکز بنا کر اور طرح طرح کی مجلسوں کی آڑ لے کر اہلسنت کے مسلمہ عقائد پر رکیک حملے کر رہے ہیں۔ اب انہوں نے اپنے پروپیگنڈا کیلئے "الحق" جیسے صحیح العقیدہ پرچے کو منتخب کیا ہے۔ میں ایک لمحہ کیلئے بھی یہ باور کرنے کے لیے تیار نہیں کہ آپ اس مسئلہ میں جمہور علماء اہلسنّت (سلف سے لیکر خلف تک) کے مؤقف سے بے خبر ہیں۔ ازواجِ مطہرات تو قطعی طور پر بدرجۂ اولیٰ اہل بیت میں داخل ہیں، اس پر اہلسنت کے تمام مکاتبِ فکر کا کامل اتفاق ہے لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت کو بھی تو جمہور علماء اہل سنت اہلِ بیت سے خارج نہیں سمجھتے۔ اس سلسلے میں کثیر احادیث موجود ہیں۔ متاخرین میں شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ، مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ، مولانا قطب الدینؒ صاحب مظاہرِ حق، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مفتی محمد شفیعؒ، مولانا قاری محمد طیبؒ، مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ، قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ اور دوسرے بیشمار علماء دیوبند و بریلی کی تحریریں اور ان کا مؤقف آپ سے مخفی نہ ہوگا۔ کیا یہ سب حضرات "منافقینِ آلِ یہود" کی سازشوں کا شکار ہوئے؟ اور کیا ان سازشوں کا انکشاف پہلی مرتبہ صاحبِ مضمون اور اُن کے ہم مشرب لوگوں پر ہوا؟ حقیقت یہ ہے کہ رفض، خارجیت اور ناصبیت سب ایک ہی شجرِ خبیثہ کی شاخیں ہیں۔ صاحبِ مضمون بظاہر ان تینوں کو مطعون کر رہے ہیں لیکن یہ محض تقیہ ہے حقیقت میں وہ اسی شجرِ خبیثہ کی ایک شاخ پر بیٹھے ہیں ع

صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

سیّدالانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہر مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپکی

مومن ذریت جس سے آپ کو بدرجۂ غایت محبت ہو اور کوئی سچا مسلمان ان سے بغض رکھے اور ان کی تخویف سے پہلو تلاش کرے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے بعض صحابہؓ کو بھی اپنے اہل بیت قرار دیا ہے چہ جائیکہ آپ کی ذریت کو اہل بیت سے یکسر خارج کر دیا جائے ـــــ روافض تو بالکل گمراہ ہیں ان کے فاسد عقائد کی تردید کرتے کرتے کیا یہ ضروری ہے کہ ہم بھی افراط و تفریط میں مبتلا ہو جائیں اور غلط راستے پر چل نکلیں؟ میں تو کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاپوش مبارک کے ایک تسمے کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے وہ مردود اور ملعون ہے ؂

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مقدسہ کو نظر انداز کر دینے والے حضور کے محب اور خیر خواہ اُمت کیسے ہو سکتے ہیں؟ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ الحق کو ایسے لوگوں کی ترکتازیوں سے محفوظ رکھے آمین والسلام۔ ناچیز طالب قریشی

● معلوم نہیں کس دلیل کی بنا پر ابوارقم انصاری صاحب نے اہل بیت کے مفہوم کو صرف ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص کیا ہے؟ جہاں تک سورۂ احزاب کی آیات کا تعلق ہے یہ ٹھیک ہے کہ اس پورے رکوع میں ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے لیکن اس آیت تطہیر میں صیغۂ مؤنث کی بجائے مذکر کا صیغہ لانا اس بات کی بین دلیل ہے کہ اہل بیت سے مراد صرف ازواج النبی نہیں بلکہ حضور پاک کے خاندان کے کچھ اور افراد بھی اہل بیت میں شامل ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ معارف القرآن جلد ہفتم ص ۱۳۹ پر اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:۔
"اوپر کی آیات میں نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب تھا اسلئے بصیغۂ تانیث خطاب کیا گیا۔ یہاں اہل البیت میں ازواج مطہرات کے ساتھ ان کی اولاد و آباء بھی داخل ہیں اسلئے بصیغۂ مذکر فرمایا، عنکم و یطہرکم وغیرہ" ص ۱۴۰ پر حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ "اہلبیت میں حضرت فاطمہؓ و علیؓ و حضرت حسنؓ و حسینؓ بھی شامل ہیں۔ (سید حبیب اللہ شاہ نقشبندی)

## جہاد افغانستان اور ناپاک امریکی عزائم

**الحق** کا مطالعہ جاری ہے، کافی ایمان افروز مواد پایا ــ محترم حقانی صاحب! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ جہاد افغانستان کامیابی کے آخری مرحلے میں ہے، لیکن امریکہ اور روس اور اس کے بعض پاکستانی مغرب زدہ غلام اسلامی حکومت کے قیام کے خلاف ایک منظم منصوبہ رکھتے ہیں جس کیلئے انہوں نے افغانستان کیلئے اپنے گشتی سفیر کو پاکستان میں کھلا چھوڑ رکھا ہے اور وہ مجاہدین کے کمانڈروں کے ساتھ خود رابطہ کر کے مجاہدین کی اسلامی قیادت اور ملت کے

درمیان فاصلے پیدا کرکے ایک نئی جنگ شروع کرنا چاہتا ہے۔ ان حالات میں جبکہ ہم لوگوں نے پاکستان میں جہاد کی حمایت میں تحریک چلائی جو کہ اللہ کے فضل سے کامیاب ہوئی، اب نتائج کے موقع پر لادین اور مغرب پرست لوگ اس تحریک کو ہائی جیک کریں تو یہ ہماری سب سے بڑی ناکامی ہوگی۔ امید ہے کہ الحق اظہارِ حق جاری رکھے گا۔ (نصر اللہ کاکڑ صدر اسلامک یوتھ فورس پاکستان)

## الحق کے مضامین اور قارئین کا اظہارِ خیال

● عرض پرداز ہوں کہ آپ کا موقر رسالہ ماہنامہ "الحق" برابر لائبریری الندوۃ الاثریہ جامعہ دارالحدیث میں آتا رہا ہے اور اپنے علمی آبِ زلال سے ہم تشنگانِ علومِ دینیہ کو سیراب کرتا رہا ہے۔ ملک کے گوشے گوشے سے آنے والے دیگر رسائل و جرائد میں آپ کا رسالہ ممتاز حیثیت رکھتا ہے اور ہم طلبہ نہایت دیدہ ریزی سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں اور اکتسابِ فیض کرتے ہیں۔ (نثار احمد الامین العام ندوۃ الاثریہ یوپی، بھارت)

● الحق کا تازہ پرچہ موصول ہوا۔ اداریٔ تحریر، منافقین کا تعاقب، زمانہ حال کے فراعنہ، ابوجہل اور عتبہ و شیبہ کی نشاندہی اور اعلانِ اظہارِ حق پر دلی مبارکباد! یہاں کے احباب الحق کے شدت سے منتظر رہتے ہیں، اس کے پرچہ میں مسئلہ دیت پر جامع مضمون اور "اے خطۂ کشمیر" بھی دلچسپ ہیں۔ (احسان اللہ مضطر، دوحہ قطر)

● علمائے دیوبند کا علمی وارث، حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے افکار کا ترجمان، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے ہاتھ کا لگایا ہوا لہلہاتا ہوا گلشن، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ طیبہ اور مسئلہ ختمِ نبوت، سیرت الصحابہؓ، احوالِ اولیاء اللہ اور مسائل و فضائل کے ساتھ ساتھ موجودہ سیاست کا بھرپور تجزیہ کرنے والا بلکہ مغرب کی لادین سیاست کی کایا پلٹنے والا آپ کا ماہنامہ "الحق" مسلسل رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ (حضرت مولانا قطب الدین خطیب مرکزی جامع مسجد بہاولنگر)

● احقر کو ماہنامہ "الحق" پابندی سے مل رہا ہے جس کے لیے میں آپ کا شکر گذار ہوں۔ اس جریدے کے ذریعے جو دینی خدمت انجام پا رہی ہے وہ لائق تحسین بھی ہے اور لائقِ تعظیم بھی! اللہ تبارک و تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین (محمد شفیع الدین حیدر، کراچی)

## قرآن حکیم کا اردو ترجمہ اور ایک ضروری وضاحت

اخبارات میں قرآن حکیم کے محض اردو ترجمے سے متعلق "الحق" میں سلسلہ مضامین چلا، مولانا مدد اللہ مدد اور احقر کے مضامین سے متعلق جناب عبدالحی ابڑو کا مکتوب شائع ہوا۔ اس سلسلہ میں توضیحاً گذارش

ہے کہ ہم نے قرآن کریم کو بلا متن عربی شائع کرنے پر عدم جواز کا حکم باحوالہ بیان کیا تھا اور اخبارات میں جو چند آیات کا مفہوم و ترجمہ شائع ہوتا ہے تو اس کے عدم جواز کا حکم سدًا للذریعہ لگایا تھا کہ آئندہ معنوی تحریف کا دروازہ نہ کھل جائے۔ ہم قرآنی دعوت کو (العیاذ باللہ) بند نہیں کرنا چاہتے۔

چند آیات کا ترجمہ شائع کرنا، اس کے بارے میں فقہاء کے اقوال بھی ہمارے پیش نظر ہیں مگر وہ صرف بوقتِ ضرورت و گنجائش ہیں ـــــ ہم نے تو اخبارات میں گیارہ گیارہ آیات تک کا صرف اردو ترجمہ دیکھا ہے اور بعض اوقات اس سے بھی بڑھ کر ! اس کے بارے میں بھی فقہاء سے عدم جواز منقول ہے۔

بہرحال جواز کو جواز کی حد تک رکھنا چاہیئے، اس کو ضروری اور واجب قرار دینا گناہ ہے ـــــ موصوف سے تنقیدی مکتوب میں علمی ذہول ہوا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے شروع میں فارسی ترجمہ کی قرأت سے نماز کے جواز کا فتویٰ رائے کی بناء پر دیا تھا۔ مگر یاد رہے کہ امام صاحبؒ نے جواز کا فتویٰ اس لیے دیا تھا کہ امام صاحبؒ کے پیش نظر نص قرآنی تھی وَاِنَّہٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ط اِنَّہٗ کی ضمیر میں دیگر احتمالات کے ساتھ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ قرآن کی طرف راجع ہے یعنی یہ قرآن گذشتہ کتابوں میں باعتبار مفہوم کے موجود تھا۔ اس آیت کی وجہ سے امام صاحبؒ نے نماز میں فارسی قرأت کے جواز کا فتویٰ دیا تھا جبکہ بعد میں اس سے رجوع کر لیا تھا۔ اور وہ فتویٰ بھی عام لوگوں کے لیے نہیں تھا بلکہ ماہرینِ فن عربی ادب و بلاغت مثلاً عبدالقاہر جرجانیؒ، علامہ سکاکیؒ اور علامہ عبدالرحمٰن قزوینیؒ کے لیے تھا کیونکہ اس قسم کے لوگ جب قرآن کی فصاحت اور بلاغت میں ڈوب جائیں اور اس کی مٹھاس ان کو حاصل ہو جائے تو نماز میں ان کا حضور مع اللہ قائم نہیں رہے گا۔ یہ اُن کے لیے ایک عذر حکمی تھا۔

اس سلسلہ بحث یا توجیہ کی مزید تفصیل تفسیر مظہری پارہ ۱۹ میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

(ذاکر حسن نعمانی، نوشہرہ)

جناب مولانا واضح رشید ندوی

# یورپ کا مرد بیمار

مغربی سامراجیت کے عہد میں عالم اسلام کو فوجی غلبہ کے ساتھ یورپ کی سیاسی اور اقتصادی، فکری اور تمدنی برتری کا سامنا کرنا پڑا جس سے زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہوا۔ ایک دفعہ تو یورپ نے اپنی فکر اور فلسفہ کے ذریعہ دنیا کی فکری باگ ڈور سنبھال لی۔ اور دوسری جانب اپنی مصنوعات کے ذریعہ بازاروں اور عالمی منڈیوں پر اپنا قبضہ جما لیا۔ اس طرح ایک تعلیم یافتہ انسان کو ایک ہی وقت میں مغربی فکر اور نظام حیات اور مغربی ایجادات اور مصنوعات سے واسطہ پڑا۔ اسے اپنے تمام مسائل اور مشکلات کا ذہنی، فکری اور عملی حل مغربی فکر اور ایجادات میں نظر آنے لگا۔ جلد ہی اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ مغرب سے تعلق رکھنے والی ہر شے خواہ وہ کوئی فکر ہو یا عمل۔ وہ قابل اعتماد اور لائق قبول ہے۔ اس طرح پورے عالم میں مغرب کی مصنوعات اور مغرب کے تصورات کا رواج ہوا۔ مغربی تعلیم کے اداروں سے نکلنے والے اشخاص جس طرح مغربی افکار کے حامل اور ان کے وکیل بنے اسی طرح مغربی مصنوعات کی بھی انہوں نے وکالت کی۔ اس مغربی فکر اور مغربی طرز و وسائل زندگی پر اعتماد و بھروسہ بحال رکھنے میں یورپ کی سیاسی قیادت اور غلبہ نے بڑا رول ادا کیا۔

ایک مدت مغرب سے نسبت رکھنے والی ہر چیز چاہے اس کا تعلق فکر سے ہو یا نظام حیات سے یا زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے ہو پوری پسماندہ دنیا کے لئے مسحور کن تھی۔ ان کی چمک دمک اور رعنائی و دلکشی سے دھوکہ کھایا ہوا انسان ان کو دنیا کا بہترین تحفہ تصور کرتا تھا۔ بناوٹ کی عمدگی اور صناعی کے کمال و معراج کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ کسی مغربی ملک کی جانب اس کا انتساب ہو مثلاً اگر کہہ دیا جاتا کہ یہ ہالینڈ، اٹلی فرانس یا برطانیہ یا جرمنی کے کسی عالم یا مفکر کا نظریہ اور فکر ہے تو یہ انتساب اس بات کی دلیل ہوتی کہ وہ فکر درست اور صحیح ہے اور جانگسل مطالعہ اور تجربہ پر مبنی ہے پھر وہ فکر دنیا کی سب سے ترقی یافتہ اور (LATEST) فکر سمجھی جاتی اگر وہ فکر کسی شخص کے سمجھ میں نہ آتی یا اس پر کوئی اعتراض ہوتا تو وہ مرعوبیت کا مارا انسان اسے اپنی کوتاہی فہم پر محمول کرتا۔ اس فکر کے بانی کی طرف یا کسی غلطی یا کم فہمی کے انتساب کی

جرأت نہ کرتا۔ اس طرح مغرب کے بہت سے ایسے افکار قبول کر لئے گئے جو بظاہر مشرق کے بنیادی تصور یا مزاج کے خلاف تھے۔ اسی طرح مغرب کی مصنوعات کو قبول کیا گیا۔

ایک بڑے تعلیم یافتہ دانشور نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے۔

کہ جب انہوں نے مارکس کی THEORY کا مطالعہ کیا تو انہیں سمجھنے میں دشواری ہوئی اور مطالعہ کے دوران بعض مقدمات کو سمجھنا مشکل معلوم ہوا۔ اور بعض خلاف واقعہ معلوم ہوئے لیکن ان کو جب بھی سمجھنے میں دشواری ہوتی تو اسے اپنی کوتاہی فہم سمجھ کر پھر سے غور کرتے۔ اسی طرح دوسرے محققین نے بھی بعض ایسے مغربی افکار و نظریات کا مطالعہ کیا جنہیں عام انسانی عقل قبول نہیں کر سکی۔ انہوں نے سمجھنے کی مزید کوشش کی لیکن جب بالکل ناکامی رہی تو ان کو بغیر سمجھے اسی طرح قبول کر لیا جس طرح ایک چھوٹا بچہ نحو اور منطق کے قواعد سمجھے بغیر قبول کر لیتا ہے۔

اسی انداز پر مطالعہ کرنے والوں کی ایک نسل عالم اسلام میں تیار ہو گئی جو مغرب سے آنے والے تمام افکار و نظریات پر ایمان رکھتی تھی۔ ان میں سے بعض افکار تجربہ سے غلط ثابت ہوئے اور اب دنیا میں بہت سے مغربی افکار قابلِ تنقید سمجھے جانے لگے ہیں۔ جنہوں نے عرصہ تک ذہنوں کو مسحور کر رکھا تھا۔

انہی افکار میں مارکسی فکر ہے جو بیسویں صدی کے اوائل میں بہت مقبول ہوا۔ اس لئے کہ اس فکر و نظریہ کو کچھ ایسے حوصلہ مند نوجوان مل گئے جو مغربی سامراج اور اقتصادی استحصال سے نالاں تھے وہ فوجی انقلابوں کے ذریعہ حکومت تک پہنچ گئے۔ انہوں نے اس نظریہ کو اپنے ملکوں میں نافذ کیا۔ اس طرح اس فکر کو مضبوط حامی مل گئے۔ انہوں نے مسلم قوموں کو اس فکر نظریہ کو قبول کرنے پر مجبور کیا۔ حالانکہ یہ نظریہ مسلمانوں کے دینی تصور سے متعارض تھا۔ ان حکام نے جو آواز بھی اس نظریہ کے خلاف اٹھی اسے طاقت سے دبا دیا۔ اور اپنے ملکوں کے سیاسی اور اقتصادی نظام کو اس فکر کے تابع کر دیا۔

گذشتہ نصف صدی کے تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ نظریہ جن جن ممالک میں قبول کیا گیا وہاں مسائل حل ہونے کے بجائے اور پیچیدہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ زراعتی پیداوار بھی گھٹ گئی۔ آمدنی کم ہو گئی۔ شادابی ماند پڑ گئی اور کام کرنے کا جذبہ مفقود ہو گیا۔ کئی بڑے ملک جنہوں نے اس فلسفہ کو اپنایا یا طویل تجربہ کے بعد سخت اقتصادی بحران میں مبتلا ہو گئے۔ وسائل آمدنی کم ہو گئے۔ جبر و استبداد کی وجہ سے وہ قومی صلاحیتوں سے محروم ہو گئے۔ لیکن مارکسیت پر ایمان رکھنے والے اس ناکامی کو دیکھنے کے باوجود اس کی سیاست، اس کے عقیدہ اور اس کے وسائل کو اب بھی تطبیق دینے کے لئے کوشاں ہیں اور اس ناکامی کے بعد مارکس نظریہ کی بار آوری کے ویسے ہی منتظر ہیں جیسے ایک مفلس انسان اپنی کامیابی کی امید لگائے بیٹھا کوشش کرتا رہتا ہے

اور اسی امید میں ہر طرح کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔

نظریہ اشتراکیت کو عملاً تطبیق دیئے جانے کے چند سالوں بعد ہی نسل انسانی کو سعادت سے ہمکنار کرنے کے سلسلہ میں اس کی ناکامی کھل کر عالم اسلام میں سامنے آگئی۔ اور اب جب کہ مشرقی یورپ کے کئی ممالک نے اشتراکیت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا ہے۔ اشتراکیت کی ناکامی ایک کھلی حقیقت بن چکی ہے۔ لیکن اس موقع پر جو بات نہایت افسوسناک ہے اور جو ایک طرح کی کم عقلی اور کم فہمی کی دلیل بھی ہے وہ یہ ہے کہ عالم اسلام کے بعض اہل قلم اب بھی اسی تقدس آمیز لب ولہجہ میں اشتراکیت کا کلمہ پڑھ رہے ہیں جس طرح تجربہ سے پہلے پڑھتے تھے۔ وہ اب بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ماسکو ان کا قبلہ ہے جس کی زیارت ان کے لئے باعث عزت وفخر ہے۔ جیسا کہ ان سے پہلے کے لوگ اسے اپنے لئے سرمایہ عزت سمجھتے تھے اب بھی بعض اہل قلم ومصنفین کو اس پر اصرار ہے کہ وہی فکر وفلسفہ اور نظریہ درست وقابل تقسیم ہے۔

امریکہ اور روس کے درمیان حالیہ چوٹی کانفرنس کے بعد تو حقیقت سے پردہ بالکل اٹھ چکا ہے۔ اور مشرقی یورپ کے ممالک کے لیڈروں نے جو بیان دیئے ہیں ان سے اس مارکسی تجربہ کی ناکامی بالکل فاش ہو جاتی ہے۔ آج کا زمانہ پوری طرح باخبر ہے کہ مشرقی یورپ اور دوسرے اشتراکی ممالک کی صورت حال اس وقت کیا ہے۔ اشتراکیت نے انہیں کہہ دیا۔ اشتراکی نظام کی اس طویل مدت کے دوران کس طرح وہاں کے باشندے ہر چیز سے محروم تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہمارے ملک جنت ارضی ہیں۔ لیکن جب انہیں باہر نکل کر دوسرے ممالک کو دیکھنے کی آزادی دی گئی تو انہیں احساس ہوا کہ وہ کیسی تنگی وذلت اور عذاب میں مبتلا ہیں۔ مشرقی جرمنی کی حالیہ تبدیلیاں اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

اشتراکی دنیا میں تبدیلی کی لہر بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ بعض وہ ممالک جہاں پہلے کمیونسٹ نظام رائج تھا آج وہاں کمیونزم پر پابندی لگادی گئی ہے۔ حتیٰ کہ اقتصادیات اور تجارت میں بھی کھل کر سوچنے کی آزادی دے دی گئی ہے۔ بعض ممالک میں ایک پارٹی کی حکومت کا نظام ختم ہو چکا ہے اور اب وہاں آزادانہ طور پر متعدد پارٹیوں میں انتخابات ہو رہے ہیں۔

اشتراکیت بہر حال اب بدنام ہو چکی ہے۔ خواہ اس پر ایمان رکھنے والے اور تقلید کرنے والے اس کا اعتراف کریں یا نہ کریں۔ اور خواہ وہ اشتراکیت کی موت پر ماتم کرنے کے لئے تیار ہوں یا نہ ہوں۔

ایک مغربی مفکر نے حالیہ مذاکرات کے بعد لکھا ہے۔

اتنی بات اب واضح ہو چکی ہے کہ کمیونزم دفن ہو گیا اور وہ کسی رنج وغم اور تعزیت کا مستحق بھی نہیں عالمی طاقتوں (اشتراکی طاقت اور سرمایہ دارانہ طاقت) کا زمانہ اب ختم ہو چکا ہے اس لئے کہ اشتراکی طاقت

نے اپنی شکست و ناکامی کا خود ہی اعلان کر دیا ہے۔

یہ فکری اور شعوری شکست جس سے اشتراکیت دوچار ہوئی ہے فوجی شکست سے زیادہ اہم اور بڑی ہے اور عجیب اتفاق ہے کہ اس کی اس فکری شکست کی ابتدا افغانستان میں روس سے سیاسی شکست سے ہوئی۔

بیسویں صدی کے اوائل کا زمانہ تھا جب ترکی سلطنت کا زوال ہوا اور عثمانیوں کی شکست کے نتیجہ میں اسلام دشمنوں کی سازشیں، فوجی تسلط اور مکر و فریب سامنے آئے۔ اسی زمانہ میں ترکی کو یورپ کا مرد بیمار کہا گیا۔ اب بیسویں صدی کے اواخر میں اشتراکی سلطنت کی بساط الٹ رہی ہے۔ سالوں تک روس نے ایک بیمار انسان کی طرح زندگی گذاری۔ روس خود کو عثمانی سلطنت کا نائب و خلیفہ تصور کرتا تھا۔ اس لئے کہ روس کی حکومت کا دائرہ سلطنت عثمانیہ کے کئی حصوں پر مشتمل تھا۔ روس کو بھی اسی انجام کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور اب متعدد ممالک اس سے علیحدہ ہو رہے ہیں جس طرح ترکی سلطنت سے یورپ کے ممالک الگ ہوئے تھے۔

یہ نہایت اہم واقعہ ہے یعنی ایک عالمی قوت کا خاتمہ، ایک ایسے نظریہ کا زوال جس نے نگاہوں کو مسحور کر رکھا تھا اور تقریباً نصف صدی تک دلوں پر حکومت کرتا رہا۔ لیکن یہ درحقیقت ایک خونی ڈرامہ کا اختتام ہے۔ دنیا کے کسی نظام نے انسانوں کو اس طرح کی شقاوت اور ہلاکت و خونریزی پر مجبور نہیں کیا جس طرح اشتراکی نظام نے کیا۔ اس نظام نے خصوصاً عالم عربی کو اپنا نشانہ بنایا اس کے سایہ میں عالم عربی میں ظلم و زیادتی دجل و فریب کے ایسے ایسے نظام وجود میں آئے جن کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔

عالم اسلام میں خاص طور سے اشتراکیت کے نام پر جو مظالم ڈھائے گئے اور اس کے بعد جو نتائج سامنے آئے وہ اس قابل ہیں کہ ان پر قرطاس ابیض شائع کیا جائے۔ اور اس استبداد سے پردہ اٹھایا جائے دنیا میں کن طریقوں سے بنیادی آزادی کو ختم کیا گیا۔ اشتراکی نظام کے تحت آنے والے ممالک کے باشندوں کو کس طرح ملک بدر کیا گیا۔ خونخوار انسانوں اور جرائم پیشہ لوگوں کی تربیت کی گئی۔ اور مختلف طبقات انسانی کے درمیان کشمکش اور جنگ کا ماحول بنایا گیا۔ تاکہ کل آنے والا انسان ایسے المیہ کا شکار نہ ہو سکے۔ اس طرح کے غلط فلسفوں سے دھوکہ نہ کھائے۔ اس مقصد کے لئے ان اہل قلم کو سامنے آنا چاہیے جنہوں نے اس نظام میں زندگی گذاری۔ اس کی بیڑیوں میں جکڑ کر اس کے جرائم کا بذات خود مشاہدہ کیا۔ انہوں نے اشتراکیت کے اس تاریک دور میں اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا ہے اسے بیان کرنا ہے مشرقی جرمنی، رومانیہ، ہنگری اور بلغاریہ کے ظالموں اور سرکش حکمرانوں کے عہد کی تفصیلی رپورٹیں نو شائع ہو چکی ہیں اور ان سخت اور انسانیت سوز نظاموں میں جو کچھ پیش آیا اس سے دنیا واقف ہے

لیکن ایشیا کے مختلف ملکوں کے جابروں اور ظالموں کی داستانیں ابھی طشت ازبام ہونا باقی ہیں۔

متعدد عرب ممالک نے ایسی مشکلات کا سامنا کیا، یہ ظالمانہ نظام جو اشتراکیت کے سایہ میں عالم عربی میں پروان چڑھا اور جن کے ہاتھوں اسلام اور اس کے نام لیواؤں کو سخت قسم کے ظلم و بربریت سے دوچار ہونا پڑا۔ اگر اس کی تفصیلات سے نقاب اٹھایا جائے تو یہ یقیناً ایک بڑی خدمت ہوگی۔

مارکسیت کی ناکامی ایک واقعہ ہے۔ اس کا اعتراف اب خود مارکسی کر رہے ہیں۔ لیکن یہ صرف ایک مثال ہے۔ اسی طرح ان دوسرے نظریات اور خیالات وافکار کی حقیقت بھی ظاہر ہوتی جائے گی جو دنیا میں راسخ ہیں اور ان کا بھی فریب کھل رہے گا۔ مثلاً حریت پسندی، انسانی حقوق اور جمہوریت یورپ کے علمی طریقہ بحث کے ساتھ بھی دنیا کا تجربہ بڑا سخت رہا ہے اور محققین اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ یورپ کا علمی اندوختہ بھی یورپ کے غلط افکار صلیبیت اور صیہونیت کی روح اور قومیت و دہریت کے اثرات سے خالی نہیں ہوتا انفرادی اور معاشرتی زندگی سے متعلق ان کے افکار و خیالات انفعالی اور سطحی قسم کے ہوتے ہیں۔ ان میں بہت بڑا نقص ہوتا ہے۔ وہ اب تک عملاً اپنے مقاصد کی تکمیل نہیں کر سکے۔

بقیہ ص۴۶ سے : **حاکم کی ذمہ داریاں**

سامنے حق بات کہے۔ (ترمذی از اقراء)

**ہر شخص اپنے گھر کا حاکم ہوتا ہے**

(۱) حضور سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور قیامت کے روز اُس سے اپنی رعایا کے بارے میں بازپرس ہوگی، حکمران سے اپنی رعایا کے بارے میں بازپرس ہوگی، صاحب خانہ فرد سے اپنے گھر والوں کے متعلق بازپرس ہو گی، عورت سے جو اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی راعی ومحافظ ہے ان کے بارے میں بازپرس ہوگی، اور خدمت گار سے جو اپنے مالک کے مال کا راعی ہے اُس مال کے بارے میں بازپرس ہوگی۔

(مسلم از اقراء ۵-۹-۱۱۵)

(۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خبردار! تم میں سے ہر شخص اپنی رعیت کا نگہبان ہے اور بروز قیامت تم میں سے ہر شخص سے اپنی رعیت کے بارے میں جواب طلبی ہوگی۔

(متفق علیہ از اقراء ۵-۹-۱۰)

یاد رکھیے! جو شخص کہ ضروریات دین کی مخالفت کرے اس کے کفر و ارتداد پر اجماع اُمت ہے۔ (اقراء ۵-۹-۱۰)

PRODUCT

ع ۔ص

# اخبار علمیہ

مشرق وسطیٰ کے سیاسی اور فوجی مدّوجزر سے استعماری ممالک کے ارباب اقتدار کی دلچسپی سب پر عیاں ہے لیکن ان مغربی ملکوں کے علمی و تحقیقی ادارے جس منصوبہ بندی اور انہماک سے اپنی حکومتوں کو تعاون دیتے ہیں وہ کم اہم نہیں لندن کے مجلہ دی مسلم ورلڈ بک ریویو کے تازہ شمارہ میں مشرق وسطیٰ سے متعلق یورپ و امریکہ سے شائع شدہ پانچ جدید مطبوعات کا ذکر ہے ۔ ان میں تین کتابیں

(1) SECURITY IN THE MIDDLE EAST : RIGIONAL CHANGE AND GREAT POWER STRATIGIES (2) CROSSCURRENTS IN TEE GULF (3) THE ARABGULF AND THE ARABWORLD

مغربی اہل قلم کی تحریروں پر مشتمل ہیں ۔ اول الذکر کتاب واشنگٹن کے ایک ادارہ کی جانب سے منعقدہ سیمینار میں پیش کئے گئے مقالات کا مجموعہ ہے اس میں خلیج کے تغیر و استحکام، مسئلہ فلسطین، سپر پاور، تیل اور مشرق وسطیٰ کے عنادین کے تحت تین ابواب میں مفصل بحث کی گئی ہے ۔ اکثر مقالہ نگاروں کی رائے میں اس علاقہ کے تحفظ کی ذمہ داری صرف مغرب کی اجارہ داری ہے ۔ مقدمہ میں رابرٹ جی نیومان سابق سفیر امریکہ برائے افغانستان، مراکش و سعودی عربیہ نے اسی رجحان کے پیش نظر لکھا کہ :

" مشکل یہی ہے کہ اس پورے خطہ کو مغرب اپنی نوآبادی سمجھتا ہے اور یہ فراموش کر دیتا ہے کہ حقائق اس نظریہ کا بالکلیہ ردّ و ابطال کرتے ہیں "

معروضی طرز فکر کے علمبرداروں نے اس نکتہ سے صرف نظر کیا کہ کیا امریکہ سے انصاف، استحکام، امن اور غیر جانبداری کی امید رکھی جا سکتی ہے ؟ دوسری کتاب جارج کیمپ قیصر لائبریری کی جانب سے ایچ رچرڈ سنڈلر اور جے ای پیٹرسن نے مرتب کی ہے اس میں بھی تین اہم ابواب میں خلیج اور بین الاقوامی امور، ایران عراق جنگ اور خلیج کی تیل پالیسی پر بحث کی گئی ہے ۔ اس امکان کا خاص طور پر تجزیہ کیا گیا ہے کہ اگر خلیج کے حالات بدل گئے تو ان کا رخ کیا ہوگا ۔

کتاب کے مطالعہ کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ مغربی محققین کو تیل، تجارت اور تحفظ کی تو فکر ہے لیکن علاقہ کے عوام ان کی تہذیب و روایات اور ان کے مذہب سے کوئی سروکار نہیں ۔ البتہ احیائے اسلام کی مساعی ان کی نظر

ہیں خطرہ ہیں۔ تیسری کتاب بی آر پریڈ ہم کی ہے۔ یہ بھی ۸۶ء میں منعقدہ ایک سیمینار کے مقالات کا مجموعہ ہے اس میں خاص طور پر خلیجی ریاستوں اور دیگر عرب ممالک کے تعلقات کے سلسلہ میں ۱۹۱۸ء سے قبل کی تاریخ عرب سیاسی اور سماجی نظریئے، آبادی کے اعداد و شمار اور اقتصادی روابط اور خلیج کے تحفظ و استحکام کے مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ آخر الذکر کتاب کا معیار زیادہ بلند ہے۔

---

ایک جانب مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کو مشرق کے مادی وسائل و مسائل سے وابستہ ہے تو دوسری طرف اسلام کے پیغام اخوت و رحمت کو خود مغرب میں عام کرنے کی کوششیں بھی جاری ہیں۔ گذشتہ دنوں مغربی جرمنی (اب متحدہ جرمنی) میں اسلامی تنظیموں اور اداروں کا ایک اہم اجتماع ہوا جس میں تقریباً ۸ ہزار نمائندوں نے شرکت کی شرکا میں پروفیسر نجم الدین اربکان، محمد المجری، عثمان یوماک، ڈاکٹر بشیر حمیداو غولاری وغیرہ بھی تھے۔ عثمان یوماک یورپ میں منظمۃ الرای الوطنی کے صدر ہیں۔ انہوں نے یورپ کے دستور و قانون کے حقوق سے فائدہ اٹھا کر وہاں اسلام کے پیام انسانیت کو روشناس کرانے پر زور دیا جسے کمیونزم اور سرمایہ داری نے گم کر رکھا ہے۔

---

یورپ اور غیر یورپ کے تعلقات کی ناہمواریوں میں دوسرے عوامل کے ساتھ صیہونیت بھی ایک بڑا محرک ہے۔ ۲۲ برس پہلے امریکی کانگرس کے ایک رکن پال فنڈلے نے اپنی کتاب DARE TOSPEAK میں اسرائیل کی امریکی لابی کے متعلق بعض رازہائے سربستہ کی نقاب کشائی کرتے ہوئے امریکہ کی سیاست، ذرائع ابلاغ، دفاعی اور علمی اداروں میں یہودیت کی کارفرمائی کی تفصیل دی تھی۔ یہ کتاب دس برس پہلے شائع ہوئی تھی لیکن صیہونیوں نے بڑی چابکدستی سے اس کو عالمی بازاروں سے غائب کر دیا تھا۔ اب سعودی عرب کے نائب وزیر اعظم عبداللہ بن عبدالعزیز نے باون ہزار ڈالر کی خطیر رقم کے عطیہ سے اس کے طبع جدید اور عالمی اشاعت کا انتظام کیا۔ چنانچہ امریکن ایجوکیشنل ٹرسٹ واشنگٹن کے زیر اہتمام یہ چھپ کر شائع ہو گئی ہے۔

---

عالم عرب سے ادھر چند عمدہ کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ان میں حافظ جلال الدین سیوطی کی الامر بالاتباع والنہی عن الابتداع ہے۔ جسے حسن سلیمان نے بڑی نفاست کے ساتھ ایڈٹ کر کے ادارہ ابن قیم سعودی عرب سے شائع کیا ہے۔ کتاب میں قرآن و حدیث کی روشنی میں اتباع کے وجوب اور اعمال و عقائد میں بدعات کی اقسام بیان کی گئی ہیں۔ سنت کے متعلق ائمہ سلف خصوصاً امام سفیان ثوری اور امام شافعی کے اقوال و آراء بھی درج کئے گئے ہیں فاضل مرتب نے امام سیوطی کے سوانح میں ایک عمدہ مقالہ بھی سپرد قلم کیا ہے۔ ایک اہم کتاب امام ابو محمد علی

بن حزم کی النبذ فی اصول الفقہ ہے جسے محمد بن حمد الحمود النجدی نے مرتب کیا ہے جو اصلاً ابن حزم کی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام کی ایک مفصل بحث پر مشتمل ہے۔ ائمہ اربعہ کے یہاں ظواہر پر عمل ایک بنیادی اصول ہے لیکن ظاہریہ کو اس میں غلو کی حد تک اصرار ہے۔ اس لئے انہوں نے قیاس کی مکمل نفی اور علل و اسباب کی بحث کو مہمل قرار دیا ہے۔ یہ کتاب فقہ ظاہریہ کی نمائندہ ہے۔

ایک قابل ذکر کتاب "الاعلام الاسلامی والرای العام" ہے۔ جسے کویت مرحوم کی جامعۃ الکویت کے استاذ ڈاکٹر محمود متولی نے مکتبۃ المنار کویت سے شائع کیا تھا۔ ذرائع ابلاغ کی اہمیت کا مشاہدہ دور حاضر میں اشتراکیت صیہونیت اور مغربیت کی یلغار سے بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ مصنف کے پیش نظر ایسے امکانات کی تلاش ہے جن کی بنیاد پر اسلامی ذرائع ابلاغ کی ایک مستحکم عمارت قائم ہو سکے۔ کتاب میں عوام کے رجحانات، تصورات، فرائض اور مشکلات، دور جدید میں دینی ذرائع ابلاغ کی ذمہ داریاں اور صحافت ریڈیو اور ٹی وی کی اہمیت جیسے موضوعات پر علمی و فنی بحث کی گئی ہے۔ مصنف اپنے اسلامی جذبہ و فکر کے لئے مشہور ہیں۔ اس لئے ۴۰ صفحات کی اس ضخیم کتاب میں اسلامی دردمندی ظاہر ہے۔ جامعہ ازہر کے علمی حلقوں میں کتاب کو اپنے موضوع پر اولین علمی مرجع کی حیثیت دی گئی ہے۔

ادبیات میں جامع قطر نے ڈاکٹر یوسف حسین بکار کی نہایت عمدہ وقیع اور جامع تصنیف "الترجمات العربیۃ لرباعیات الخیام" شائع کی ہے۔ عالمی زبانوں میں عمر خیام کی رباعیات کی مقبولیت و شہرت کا بڑا سبب رباعیات کا انگریز مترجم ایڈورڈ فٹز جیرالڈ ہے۔ گذشتہ صدی کے اواخر میں اس کے انگریزی ترجمہ کے ذریعہ رباعیات خیام کا پرکیف نشہ دوسری کئی زبانوں پر چھا گیا۔ عربی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں اس کتاب میں فاضل مصنف نے عربی میں رباعیات کے ہر مترجم کی کاوشوں کا باہم موازنہ کیا ہے اور پھر خوب سے خوب تر کی نشاندہی کرتے ہوئے وجہ ترجیح بھی ظاہر کی ہے۔ عیسی اسکندر علوف، ودیع البستانی، عبدالرحمن شکری، عبدالقادر مازنی، جمیل صدقی زہاوی، عباس محمود عقاد سے محمد العراقی اور محمد غلیمی تک تقریباً ۲۹، ادباء وشعراء کے ترجموں کا ہر وقت نظر سے موازنہ و تجزیہ کیا گیا ہے مصنف کو چونکہ فارسی اور انگریزی زبانوں پر بھی قدرت ہے اس لئے انہوں نے انگریزی کے علاوہ اصل فارسی رباعیات کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ اسی لئے ایک عربی ناقد کی نظر میں کتاب جدید علمی طرز و تحقیق و ترتیب کا بہترین نمونہ ہے۔

ـــــ مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی

# تعارف و تبصرہ کتب

**مقالات (پشتو)** | تالیف: شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید مدظلہ ـــ صفحات ۸۰ ـــ قیمت ۱۰/ روپے
ناشر: مؤتمر المصنفین، دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، تحصیل و ضلع نوشہرہ

حضرت العلامہ مولانا مفتی محمد فرید صاحب ایک عظیم علمی شخصیت، مفتی اعظم اور شیخ الحدیث ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے درس و تدریس، تفقہ فی الدین، علم طریقت و تصوف میں مہارت کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف اور علم حدیث کی اہم کتب پر شروح و تعلیقات کی عظیم صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ موصوف کی سنن ترمذی کی عربی شرح منہاج السنن چار جلدوں میں ہے جو کہ علمی و دینی حلقوں اور طالبانِ علوم نبوت میں بیحد مقبول ہے، ھدیۃ القاری کو بھی استناد کا درجہ حاصل ہے۔ پیشِ نظر تالیف "مقالات" موصوف کے جدید و قدیم اہم موضوعات اور عہدِ حاضر میں غلو اور افراط و تفریط اور تعصبات پر مبنی بعض آراء میں قرآن و سنت سے ماخوذ مسلک اعتدال کی توضیح کی گئی ہے۔

پشتو زبان کے اختیار کرنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ سرحد، بلوچستان اور افغانستان کے لوگوں کو بھی علمی اور دینی کتب سے استفادہ کا زیادہ سے زیادہ موقع میسر ہو۔ توقع ہے کہ مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ استاذ دار العلوم حقانیہ اس کی اردو اشاعت کا بھی خصوصیت سے اہتمام کریں گے تاکہ اس سے زیادہ سے زیادہ نفع اہلِ اسلام حاصل کر سکیں۔ (ر غ، ق)

**ارمغان حنیف** | مرتبہ: محمد اسحٰق بھٹی ـــ صفحات: ۳۷۲ ـــ قیمت ۱۰۰/ روپے ـــ طباعت دیدہ زیب
ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ لاہور

مولانا محمد حنیف ندوی برصغیر کے ممتاز نامور اور مایۂ ناز محقق اور عظیم دینی سکالر تھے۔ وہ بیک وقت لغاتِ قرآن کے ماہر، تفسیر کے عالم، فلسفہ و کلام (جدید و قدیم) کی موشگافیوں کے رمز شناس، علوم حدیث کے ممتاز نکتہ رس، میدانِ تحقیق و ادب کے شہسوار، بلند پایہ مصنف، سحر طراز مترجم، پختہ کار نقاد، مشکل پسند مقالہ نگار اور وسیع المشرب بزرگ تھے۔ گوناگوں مختلف اور نادر موضوعات پر آپ کے قلم کی جولانی قابلِ داد بھی ہے اور قابلِ دید بھی۔ آپ کی درجنوں کتابیں ہر طبقہ اور ہر مکتبۂ فکر کے لیے یکساں باعثِ تسکین ہیں۔ غزالیات اور قدیم فلسفہ پر آپ کی حیثیت ایک اتھارٹی کی ہے۔ آپ کا زیادہ تر شغف گو کہ فلسفہ و کلام جیسے ادق اور خشک موضوعات سے رہا، مگر اس کے باوصف آپ اپنے بے تکلف ساتھیوں کی محفل اپنی بذلہ سنجی، شائستہ اور لطیف مزاح و ظرافت سے محظوظ فرماتے۔

کافی عرصہ تک آپ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ سے وابستہ رہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس ادارہ کیلئے آپ نے جو خدمات سرانجام دیں اور جو فکری، تحقیقی اور علمی ورثہ اس کیلئے چھوڑا، ادارہ کیلئے یہ ذخیرہ بجا طور پر سرمایۂ افتخار ہے اور رہیگا۔ ادارہ کی طرف سے آپ کی حیات ہی میں آپکی علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر مختلف اہلِ علم حضرات اور دانشوروں نے آپ کی ہمہ پہلو شخصیت پر مولانا محمد حنیف ندویؒ کے ساتھ ایک شام کی تقریب کیلئے یہ مقالات تحریر کیے تھے جس کی صدارت اُس وقت کے وزیرِ تعلیم ڈاکٹر محمد افضل نے کی تھی، بعد میں ان مقالات کی کتابی شکل میں اشاعت کا انتظام بھی کیا گیا لیکن کتابت ہو جانے کے باوجود اس کی اشاعت میں تاخیر ہوتی گئی دوسری طرف مولانا کی صحت بھی کمزور ہوتی رہی تا آنکہ پیامِ اجل آپہنچا اور اپنے مداحوں کی سوغات کو قبول کیے بغیر اس عالمِ فانی سے رحلت فرما گئے۔

زیرِ نظر کتاب انہی مقالات کا مجموعہ ہے جس کو دو ایک مضامین کے اضافہ کے ساتھ مولانا محمد اسحٰق بھٹی نے ترتیب دیا ہے۔ مولانا محمد اسحٰق بھٹی صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ اس عظیم علمی شخصیت پر یہ بیش قیمت جواہر پارے اہلِ علم کے سامنے رکھ دیئے۔ ویسے تو تمام مقالہ نگار حضرات نے اپنے موضوعات کا حق ادا کیا ہے۔ لیکن بھٹی صاحب کے دو مقالے "خدماتِ گوناگوں" اور "مولانا محمد حنیف ندویؒ واقعات و لطائف کے آئینے میں" انتہائی جاندار اور فکر و نظر میں وسعت و انبساط لانیوالے مضامین ہیں۔ علاوہ ازیں مولانا سعید الرحمٰن علوی، جناب تحسین فراقی اور مرزا ادیب کے مقالات بھی پُر از معلومات ہیں۔

الغرض یہ کتاب اس لائق ہے کہ اس کو ہر جویائے علم و تحقیق حرزِ جاں بنائے۔

**درسِ قرآنِ مجید (سورۃ الفاتحہ)** | از مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی مدظلہٗ ــــ صفحات ۲۱۴ ــــ قیمت۔/۵۰ روپے
ملنے کا پتہ:۔ دارالارشاد، مدنی روڈ، اٹک شہر (پنجاب)

حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہٗ اپنے وقت کے عظیم مصنف، صاحبِ طریقت بزرگ اور سلف صالحین کی علمی روایتوں کے امین ہیں انکے سلسلہ ہائے درسِ قرآن علمی و دینی و عام لکھے پڑھے احباب میں مقبول رہے ہیں۔ خدا کے فضل سے موصوف کے فرزندِ اکبر حضرت مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی مدظلہٗ بھی اپنے والدِ گرامی کے طرز پر عوامی حلقوں میں قرآنی علوم و معارف کی تبلیغ و ترویج کی مساعی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ پیشِ نظر کتاب موصوف کے سورۃ الفاتحہ کے درسی افادات ہیں۔ موصوف اپنے والدِ گرامی کی اجازت سے سعودی عرب کے شہر حفرالباطن کے قریب مدینۃ الملک خالد العسکریہ کی جامع سلمان میں دس سال تک درسِ قرآن دیتے رہے جس میں عرب و عجم کے سعادتمند سامعین نہ صرف شرکت کرتے رہے بلکہ ان میں سے اکثر نے اعمال، عقائد اور طرزِ معاشرت کو بھی سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ڈھال کر سرخروئی حاصل کی ــــ سرِدست ان دروس میں سے صرف سورۃ الفاتحہ کے درس کو کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے جو ہر لحاظ سے نافع اور اصلاحی انقلاب کا ذریعہ ہے ــــ ہماری دعا ہے کہ باری تعالیٰ اس سلسلۂ درس و طباعت کو مقبول فرمائے اور بقیہ دروس بھی نفعۃ الخلق کا ذریعہ ہوں۔ قارئین سے اس سے استفادہ کی پرزور سفارش ہے۔